عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی !!

اِدارۂ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

ماہنامہ غزالی

جمادی الاول ۱۴۳۳ھ/اپریل ۲۰۱۲ء

RegNo.P476

جلد:دھم

شمارہ:8

فہرست

فی شمارہ: -/15 روپے

سالانہ بدل اشتراک: -/200روپے

ملنے کا پتہ: پوسٹ آفس بکس نمبر1015، یونیورسٹی کیمپس، پشاور۔

ای۔میل: physiologist72@yahoo.com

saqipak99@gmail.com

www.darwaish.org

اسلام کا نظریۂ تعلیم (۱۹۶۸-۱۰-۲۳) (قسط-۳)

(حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ)

اب یہ رخ ہے کہ دعوت جسے حکیمانہ دعوت کہتے ہیں اس علم کا یہ تیسرا تقاضا ہے۔ علم کا تیسرا تقاضہ یہ ہے کہ جس علم کو تم نے حاصل کیا میراث نبوت ہے۔ میراث نبوت کسی شخص کی ذاتی ملکیت نہیں ہوتی۔ یہ امانت ہے، اس امانت کو دوسروں تک پہنچایا جائے گا۔ یہی پہنچانا تیسرا تقاضا ہے۔ اس پہنچانے کی جہاں تک کہ ہمیں نبوت کے طریق سے معلوم ہوتا ہے کہ دو تین راہیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس علم کو لے کر زبان کے لحاظ سے دوسروں تک پہنچاتے چلے جاؤ، جو بات پہنچی اسے دوسروں تک پہنچاؤ لیکن پہنچانے میں یہ رُخ اختیار نہ کرو میں نے پہلی دفعہ بھی غالباً عرض کیا تھا بلکہ ان کی ذہنی کیفیت کو دیکھتے ہوئے دین کی حق بات کو ایسے لہجے سے بیان کرو کہ بات کو وہ لینے والے سنبھالنے والے اور قبول کرنے والے بن جائیں۔ اگر انھوں نے قبول کر لیا تو بات بن جائے گی۔ اس میں عمومی طور پر دین کے متعلق لوگوں کے ذہنوں میں جو شکوک و شبہات پیش آتے ہیں وہ اس وجہ سے نہیں آتے کہ دین میں کوئی خرابی ہے۔ دین میں کوئی خرابی نہیں، یہ دینِ فطرت ہے، یہ خدا کا دین ہے، اُس خدا کا دین ہے جس نے ہوا کو پوری انسانیت کے لیے جہاں بھی کوئی شخص ہوگا موٹا ہوگا، پتلا ہوگا، کالا ہوگا گورا ہوگا، ہندی ہوگا، ترکی ہوگا، امریکن ہوگا، یورپین ہوگا جو بھی ہوگا اللہ تعالیٰ نے ہوا ہر ایک کے لیے ضروری قرار دے دی اور ہوا کو ایسا کر دیا کہ اس سے انسان فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ جس طور پر ہوا نفوس کی بقاء کے لیے ہے اسی طور پر علمِ الٰہی روحوں کی بقاء کے لیے ہے۔ انسان کی حقیقی زندگی تو دراصل علم کی رہنمائی میں زندگی ہے۔ قرآن نے کہا ہے ایک مقام پر کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کو مان لو ﴿لما یحییکم﴾ جس سے تمہیں حیات روحانی حاصل ہو جائے۔ حیات روحانیہ علم نبوت پر مبنی ہے۔ اب اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے جو علوم بھیجے یہ یقین کریں اس پر ایمان لے آئیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم صرف عرب کے لیے نہیں تھے، کسی خاص زمانے کے لیے خاص نہیں تھے، جیسے ہوا ہر جگہ موجود ہے اسی طور پر علومِ نبوت ہر زمانے کے لیے ہیں۔ دیکھو جو بڑے پھیپھڑوں والا ہوگا وہ سانس کو زیادہ

کھینچے گا زیادہ ہوا کو اندر لے گا، اور میری طرح جس کا پھیپھڑہ چھوٹا سا ہوگا وہ تھوڑی سی ہوا کو اندر کھینچے گا۔ جو بڑے برتن والے ہیں، بڑے قد والے ہیں، وہ بڑی چیز کو اپنا لیں گے اور جو چھوٹے قد والے ہیں وہ چھوٹی کو اپنا لیں گے۔ عرض کرنے کا میرا مدعا یہ تھا کہ علم میں کوئی بھی کوتاہی نہیں جو کہ کسی انسان کے لیے خرابی کا سبب ہو۔ خراب اشکالات (اعتراضات) اس وقت پیدا ہوتے ہیں کہ جس بات کو آپ پیش کر رہے ہیں آپ نے دین کی اُس بات کو صحیح سمجھا نہیں اور غلط رُخ سے آپ نے پیش کر دیا، یا آپ نے صحیح سمجھا لیکن غلط رُخ سے پیش کر دیا۔ دوسری چیز یہ ہے کہ جس شخص نے لیا اس شخص نے صحیح سُنا نہیں، صحیح سمجھا نہیں اس طرح سے دوسرے اشکالات پیش آتے ہیں۔ علم کے پہنچانے میں معلم کا فریضہ ہے کہ معلم امین ہو۔ امانت کا معنیٰ یہ ہے کہ جس علمِ صحیح کو پہنچانا ہے اس میں اپنی نفسانی خواہشات کو دخل نہ دے بلکہ علمِ صحیح کو بے کم و کاست لوگوں تک پہنچا دے اور اس رُخ سے پہنچا دے کہ وہ اس چیز کو اسی طور پر صحیح رُخ سے لینے والے بن جائیں۔ اشکالات کا سبب ہی یہ ہوتا ہے کہ یا تو بات صحیح پہنچتی نہیں یا پہنچائی نہیں جاتی یا لینے والے صحیح رُخ سے نہیں لیتے۔ یہی تین چیزیں ہیں جو کہ سبب بنتی ہیں اشکالات اور شکوک کے پیدا ہونے کا۔ اب اس کے بعد جو اگلی بات آتی ہے جو کہ معلم کا فرض ہے کہ وہ جس شخص سے بات کر رہا ہے اس کی ذہنی سطح کو جانے۔ قرآن کے متعلق کسی نے مولانا روم سے سوال کیا کہ قرآن ہماری زبان میں کیسے آ گیا۔ مولانا رومؒ نے اس کے جواب میں فرمایا:

بہرِ طفل خود پدر تی تی کند

باپ جب اس سے بات کرتا ہے تو چھوٹے بچے کے لیے اس کی توتلی زبان میں تی تی کر کے باتیں کرتا ہے یعنی اپنے لفظوں کو توڑ کر اس سے باتیں کرتا ہے۔ اگرچہ باپ اتنا عالی دماغ ہے کہ عرش سے باتیں کر رہا ہے لیکن بچے کے لیے چھوٹا ہو جائے گا۔ اسی طور پر ابن عباسؓ کا قول ہے کہ صحیح عالم وہ ہے **یربی الناس بصغار العلوم قبل کبارھا او کما قال.** کہ لوگوں کو ان کی حیثیت کے مطابق بڑے علوم سے پہلے چھوٹے علوم کی تعلیم دیتا ہے تا کہ بنیاد قائم ہو جائے۔ بنیاد قائم کی جائے گی تو دیوار اٹھائی جائے گی تب چھت ڈالی جائے گی۔ اگر آپ کہیں کہ پہلے چھت

ڈالو پھر بنیاد اٹھاؤ تو یہ بات ناممکن ہے۔ ذہنی سطح کو دیکھنا پڑے گا کہ یہ لوگ کس رخ سے بات کو لینے والے ہیں۔ آپ کی بات سے بھڑک نہ اٹھیں۔ دین کا علم جیسے اونچا ہے اسی طور پر تلوار کی دھار ہے اس معنیٰ میں کہ اگر آپ نے کسی کو غلط عمل بتا دیا تو آپ گنہگار ہیں۔ پھر دوسرے یہ کہ اگر آپ نے اپنی تمام صلاحیتوں کو اور استعدادوں کو علم کے صحیح پہنچانے کے لیے استعمال نہیں کیا، آپ جانتے ہیں کہ اگر میں اس رخ کو اختیار کروں تو یہ شخص اس بات کو سمجھ جائے گا اور آپ اپنی سہل انگاری کی بناء پر یا سستی کی بناء پر اس طریقے کو اختیار نہیں کرتے تو گویا حق نہیں ادا کر رہے۔ بقول مولانا الیاسؒ دین کے پھیلانے کے لیے خونِ دیدہ اور سوزِ جگر سبب بنا کرتا تھا آج ہم اس کو پھیلانے کے لیے صرف لفظوں پر کفایت کر رہے ہیں۔ دین کے علم کا چراغ سوزِ جگر سے اور آنکھوں کے آنسوؤں سے جلا کرتا ہے، دین کا چراغ ایسے ہی نہیں جلا کرتا۔ انسان خود کڑھتا ہے جلتا ہے تب بات بنتی ہے۔ سب سے بڑے معلم سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیات کو قرآن نے کئی جگہ نقل کیا ہے

لعلک باخع نفسک الا یکونو مٔومنین

لعلک باخع نفسک علیٰ اثارھم ان لم یؤ منون بھذ الحدیث اسفا

ولا تحزن علیھم ولا تک فی ضیک مما یمکرون

چنانچہ معلم کا سب سے بڑا فریضہ یہ ہے کہ اس علم کو صحیح راہ کے ساتھ، صحیح رُخ کے ساتھ لوگوں کو پیش کر دے کہ اس علمِ صحیح کو وہ سنبھالنے والے بن جائیں۔ دینی علوم کے حاملین کا صرف اتنا کام نہیں کہ وہ علم کو پہنچا دیں۔ بلکہ ان کا کام یہ بھی ہے کہ اپنی استعداد کے بقدر اس علم کو عمل کے رُخ پر ڈلوا دیں۔ صحابہؓ کو آپ دیکھئے کہ صحیح مسلم میں بھی آتا ہے صحیح بخاری میں بھی ہے، دوسری صحاح کی روایات میں بھی ہے کہ وہ علم کو عملی رخ سے پیش کرتے تھے۔ ایک صحابیؓ آتے ہیں مالک بن نویر مسلم کی روایت ہے وہ اپنے ساتھیوں کو کہتے ہیں کہ میں تمھیں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا طریقہ بتانا چاہتا ہوں، آؤ میں تمھیں بتاتا ہوں، نیت باندھتے ہیں اور نماز پڑھ کر بتا دیتے ہیں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں تمھیں وضو کا طریقہ بتاتا ہوں۔

ایک پانی کا لوٹا منگوا لیا اور وضو کر کے بتا دیا کہ ایسے وضو کرتے ہیں۔ عملی مشق بھی بتائی کیونکہ علمِ دین صرف نظریات کا نام نہیں ہے۔ میں تو یوں کہوں گا دوستو! کہ وہ علوم الٰہیہ جسے ہم صرف عقیدے کے رخ سے کہتے ہیں وہ بھی کیفیات قلبیہ کو پیدا کرنے والے ہیں۔ مثال کے طور پر یوں کہو کہ خدا رازق ہے اب اس رزق کا جو علم ہے اس کا دل سے کیا تعلق؟ کہ دل میں ایک کیفیت پیدا ہو جائے توکل الٰہی کی، کہ مجھے رزق مل کر رہے گا۔ اقبال نے ایک مقام پر ''بال جبریل'' میں مرید ہندی اور پیرِ رومی کے مکالمہ میں لکھا ہے

؎ کس طرح آئے قیامت کا یقیں؟ (اقبال کا سوال)

مولانا رومؒ جواب میں فرماتے ہیں

خود قیامت شو قیامت را ببیں (خود قیامت ہو جاؤ تا کہ قیامت دیکھ لو)

قیامت کے احوال کو اپنے اوپر طاری کر لو۔ ایک ہوتی ہے علمی کیفیت جو کہ صرف نظری رخ کی ہوتی ہے اور ایک عملی کیفیت ہے جو کہ حالی کیفیت ہوتی ہے۔ اگر آپ نے علم کو صرف قال کے مقام پر رکھا تو یہ آپ کو اپنے ثمرات سے کما حقہ متمتع نہیں کرے گا۔ اور جب آپ کے اندر حالی علم آئے گا تو بہت سارے اقوال کے پھندوں سے نکال کر آپ کی زندگی کو بنا دے گا۔ میں رات مسجد میں بیان کر رہا تھا میں نے کہا دیکھو ایک تو بات ہوتی ہے سنانے کی مثلاً آپ کسی کو سنائیں کہ فلاں کا بچہ مر گیا ماں بہنیں اور عورتیں بہت رو رہی تھیں تو وہ سن لے گا لیکن اس کو لے جائیں ایک ایسے ماحول میں جہاں دس پندرہ عورتیں میت پر رو رہی ہوں اگر بہت سخت دل بھی ہو گا پھر بھی ایک دو آنسو ٹپک پڑیں گے کیونکہ وہ عملی نمونہ پیش کرتی ہیں۔ بیس آدمی ہنس رہے ہوں آپ بھی تھوڑی دیر میں ہنسنا شروع کر دیں گے۔ یہ عملی کیفیات کا اثر ہے۔ کیفیات قلبیہ سب علم کا نتیجہ ہوتی ہیں بغیر علم کے قلب کی کوئی بھی کیفیت پیدا نہیں ہوتی لیکن علم کیفیت بنے یہ بات مجاہدے سے حاصل ہوتی ہے۔ جب کیفیت پیدا ہو جائے تو وہ تمہارے خارج پر اثر انداز ہو گی، پھر جو تمہارے دل سے بات نکلے گی وہ دوسروں پر بھی اثر

انداز ہو گی۔

پچھلی دفعہ بھی میں نے غالباً عرض کیا تھا پھر بھی عرض کرتا ہوں دیکھو! علم جب آئے تو علم کے حقوق کو ادا کر دو۔ علم کا سب سے بڑا حق یہ ہے کہ خدا کو پہچانو، کسی نے کہا تم کتاب کو کیا جانو اگر کتاب والے کو نہیں جانتے۔ امام احمد بن حنبلؒ کا ایک واقعہ آتا ہے ایک بزرگ گزرے ہیں حاتم اصمؒ جب وہ ان کے پاس آتے تو امام صاحبؒ کھڑے ہو جاتے۔ حالانکہ امام احمد بن حنبلؒ وہ آدمی ہیں جنھوں نے مامون جیسے عظیم الشان اور جلیل الشان بادشاہ کے آگے گردن نہیں جھکائی۔ لیکن وہ فقیر آدمی آتا تو کھڑے ہو جاتے۔ کسی نے پوچھا کہ آپ ان کے سامنے کیوں کھڑے ہو جاتے ہیں؟ جواب دیا کہ میں کتاب جانتا ہوں یہ کتاب والے کو جانتا ہے۔ اب کتاب والے کو کیسے جانا جاتا ہے؟ علم کی حقیقت باطنیہ یا یوں کہیئے کہ علم کا قلباً اور عملاً استعمال آپ کو معرفتِ حق سے روشناس کر دے گا۔ علم کا تقاضا یہ ہے کہ جو عالم دین ہو وہ عارفِ الٰہی ہو۔ جب آپ کے اندر معرفت حق آئے گی، خدا کی پہچان کو جب آپ محسوس کریں گے، جس یقین سے بات کریں گے وہ یقین اگر آپ کے اندر ہے اس کا تو اثر ہی جدا ہوگا۔

دوستو! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ علمِ الٰہی آتا ہے زندگی کو بدلنے کے لیے، آپ کی اور ہماری زندگی کو بدلنے کے لیے بھی اور جتنا معاشرہ ہے ان سب کی زندگی کو بدلنے کے لیے۔ میں عرض کر رہا تھا کہ لوگوں کے ذہن کے مطابق بات کیجئے لیکن دیکھو! ذہنوں کے مطابق کہنے کا مطلب یہ نہیں کہ اُن کے لیے دین کو بدل دیجئے۔ شرابِ کہنہ (پرانی) ہو لیکن پیالے نئے ہوں، یہ نہیں کہ پیالے تو پرانے ہوں اور شراب نئی آجائے۔ میں نے ایک بات عرض کی تھی دیکھو! اگر ہم دین کو غلط بیان کرتے ہیں، دین کا مسئلہ بدلتے ہیں تو گویا ہم اپنے آپ کو نبوت کے مقام پر فائز سمجھتے ہیں۔ پھر تو وحی کا نزول فضول اور بے فائدہ ہو جاتا ہے۔ دین وحیِ الٰہی کا نتیجہ ہے۔ خدا کی طرف سے دین آیا ہے، اب تو وحی آ ہی نہیں سکتی لہٰذا خدا کے علاوہ کوئی دین کو کیسے بدل سکتا ہے۔

(جاری ہے)

۲۰۱۱ء کے سالانہ گرمائی اجتماع کے موقع پر چترال کے علاقہ بمبوریت میں بیان (قسط۔۲)

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہٗ)

قادیانیوں سے مناظرہ بھی ایک فن ہے۔ یہ ایک خاص طریقے سے مناظرہ شروع کرتے ہیں تو جس آدمی کو پتہ نہ ہو تو خواہ کوئی کتنا بڑا عالم کیوں نہ ہو اگر اس نے ختمِ نبوت والوں سے ٹریننگ نہ لی ہو تو اس کو پھانس لیتے ہیں اور بہت تنگ کرتے ہیں۔ عام آدمی کو ان کا ٹرینڈ مناظر بہت پریشان کر دیتا ہے تو اس لئے علماء کو تھوڑی سی تکلیف کر کے قادیونیوں کے مناظرے والا کورس ضرور کرنا چاہئے۔ اس مناظرے سے جب واپس آئے تو حضرت مولانا صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے بتایا کہ ان کی ایک کتاب سے میں نے حوالہ دیا تو ان کا ایک آدمی ان کی وہ کتاب لے کر آیا اور اس تحریر پر انگلی رکھ کر جس کا میں حوالہ دے رہا تھا کہنے لگا کہ دکھاؤ کدھر ہے یہاں پر؟ تو میں نے کہا کہ بالکل یہود کے بچے ہو۔ وہ بھی اسی طرح انگلی رکھ کر تورات پر اس جگہ کو چھپایا کرتے تھے۔ انگلی ہٹاؤ تو نیچے وہ لکھا ہوا ہے جو میں نے کہا ہوا ہے۔

جتنے حضرات میرے ساتھ اس دور دراز علاقے کے اجتماع پر آئے ہو انشاء اللہ آپ لوگوں کی آمد سے اس علاقے پر روحانی اثرات آئیں گے۔ بونی میں آغا خانیوں کے مرکز میں جو اجتماع کیا تھا اللہ کے احسان سے ان کی بنیادوں پر ضربیں لگی تھیں حالانکہ ان کا نام بھی نہیں لیا تھا ہم نے اس میں۔ لیکن آپ جب حق کام کریں اور حق کی بات کو آگے لے کر چلیں تو حق روشنی ہے، باطل اندھیرا ہے، روشنی جب جلے تو اس کو کہنے کی ضرورت بھی نہیں پڑتی کہ میں روشنی ہوں اور اندھیرے کو میں مارتی ہوں یا بھگاتی ہوں۔ جوں روشنی جلی، اندھیرا خود بھاگتا ہے۔ میں آپ کو سچ بتاؤں اس وقت کفر و اسلام کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ کیا ہے؟ اس وقت کافر کے اسلام میں داخلے کی سب سے بڑی رکاوٹ مسلمان ہے۔ اس کی زندگی اسلامی نہیں ہے لہٰذا اس کی وجہ سے کشش نہیں رہی ہے۔ مستند کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ دس کافروں کو مسلمان بنانے سے ایک مسلمان کو صحیح مسلمان بنانا زیادہ بہتر ہے اور دوسری جگہ لکھا ہوا ہے کہ سو کافروں کو مسلمان بنانے سے ایک مسلمان کو صحیح مسلمان بنانا افضل ہے کیونکہ حالتِ کفر میں آدمی جہنم میں گیا تو اتنا نقصان نہیں لیکن حالتِ اسلام میں آدمی جہنم میں گیا تو یہ بڑا نقصان ہے۔ کافر کے لئے سب سے بڑی

رکاوٹ ہماری زندگی ہے! میں اور تو ہیں! ہماری غیر معیاری زندگی ان کے لئے رکاوٹ ہے۔ رسالے میں جو باوا محی الدین والا قصہ میں نے لکھوایا تھا وہ کس کس نے پڑھا ہے؟ چند آدمیوں نے ہی پڑھا ہے باقی کا رسالے کے ساتھ تعلق ہی نہیں ہے۔ اتنا زور لگاتا ہوں میں سارا مہینہ اور رسالے میں شائع کرتا ہوں ان چیزوں کو۔ اس لئے میں نے طارق صاحب سے کہا کہ جس جس کو اعزازی رسالہ بھیجتے ہو ان سے کہو کہ تبصرہ لکھیں تو کسی نے نہیں لکھ کر بھیجا۔ میں نے کہا ان سب اعزازیوں کے رسالے بند کرواؤ۔ جب ان میں سے کوئی پوچھے کہ ہمارا رسالہ بند کیوں ہوا ہے تو جاری کر دینا کیونکہ اس کو پتہ تو چلا ہے۔ لوگوں کو تو پتہ ہی نہیں ہوتا، وہ تو ہماری چیز کو ردی کی ٹوکری میں پھینک رہے ہوتے ہیں۔

باوا محی الدینؒ کا واقعہ اس طرح سے ہے کہ سری لنکا کا ایک لڑکا تھا۔ وہ امریکہ میں تصوف پر پی۔ ایچ۔ ڈی کر رہا تھا۔ وہاں یونیورسٹیوں میں ہر چیز پر پی۔ ایچ۔ ڈی ہوتی ہے۔ اس نے اپنا مقالہ مکمل کیا اور امتحان دینے کے لئے جب گیا تو تصوف چونکہ ایک عملی چیز ہے تو اس بنیاد پر وہ سری لنکا کے نقشبندیہ سلسلے کے ایک بزرگ باوا محی الدین صاحبؒ کو ساتھ لے گیا کہ ایک صوفی کے نمونہ کے طور پر ان کو پیش کرے۔ اس کا امتحان ہو گیا۔ نقشبندی حضرات کی توجہ کی مہارت ہوتی ہے۔ وہ آدمی کے دل کو اچھال دیتے ہیں، ہلا دیتے ہیں، آدمی کے باطن میں کیفیت طاری کر دیتے ہیں، تو لوگ ان سے بڑے متاثر ہوتے ہیں۔ محققین کہتے ہیں کہ افعال سے متاثر ہونا چاہئے انفعال سے متاثر نہیں ہونا چاہئے۔ انفعال اور افعال دو اصطلاحیں ہیں۔ انفعال ہے دل میں کوئی حالت طاری کر دینا اور افعال ہیں کہ اس آدمی کے فعل کیا ہیں۔ آیا وہ ظاہر اور باطن کے لحاظ سے شریعت کے معیار پر ہے کہ نہیں ہے۔ تو اصلِ تصوف افعال ہیں انفعالات زوائد ہیں۔ ان بزرگوں کے ذریعے مظاہرہ اس کے امتحان کا تو ہو گیا۔ اس کے بعد اس کا خیال ہوا کہ میں ان بزرگوں کو جگہ جگہ پھرایا کروں بطورِ نمونہ اور بطورِ نمائش کے اور تصوف کے نام پر ایک تحریک چلاؤں۔ اس نے باوا صاحب سے کہا کہ ہم اس طرح کریں گے۔ باوا صاحب تو اللہ والے تھے اور اللہ والے شہرت اور اشتہار سے دور بھاگتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ جس چیز کو لے کر میں چل رہا ہوں وہ اللہ کا تعلق ہے۔ اس میں یہ بات نہیں ہو سکتی جو آپ کرنا چاہتے ہیں۔ لڑکے نے کہا کہ آپ تو میرے محتاج ہیں، آپ کو میں یہاں لے کر آیا اور آپ کی ساری چیزوں کا بندوبست میں کر رہا ہوں۔ میں آپ کو چھوڑ دوں تو

آپ کیسے زندگی گزاریں گے؟ باوا صاحب نے جواب دیا کہ میں آپ کا محتاج نہیں ہوں۔ اس نے کہا کہ اچھا تو پھر میں آپ کو بتاتا ہوں۔ وہ باوا جی کو لے گیا اور ایک جنگل بیابان میں چھوڑ کر آ گیا۔ ہمارا اور آپ کا بھروسہ تو اسباب پر ہوتا ہے جبکہ اللہ والوں کے نزدیک اسباب تو صرف اسباب ہیں، ارباب یعنی رب نہیں۔ انھوں نے سوچا پہلے تو ایک ظاہری سبب تھا، وہ ہٹ گیا، اب اللہ تعالیٰ خود ہی وسیلہ ساز ہو گیا، اب کسی کا کیا غم ہے۔ بس اپنا اللہ اللہ کرنے لگ گئے۔ کچھ لڑکیاں سیر کے لئے اس جنگل میں آئیں۔ انھوں نے دیکھا کہ ایک عجیب آدمی بیٹھا ہوا ہے۔ انھوں نے اس کو ساتھ کیا کہ ہمارے ساتھ چلیں۔ آپس میں انھوں نے کہا we shall keep him as pet at our home (ہم انہیں اپنے گھر میں Pet کے طور پر رکھیں گے)۔ جیسے لوگ خوبصورت طوطے پالتے ہیں، تیتر پالتے ہیں، چکور پالتے ہیں ان کو انگریزی میں Pet کہتے ہیں، اسی طرح انھوں نے کہا کہ ہم ان کو اپنے گھر میں پالیں گے، جب گھر لے گئے تو باوا جی نے اشاروں سے ان کو سمجھایا کہ میں سبزی کھا سکتا ہوں، گوشت وغیرہ، ذبیحہ نہیں کھا سکتا۔ انھوں نے کہا ٹھیک ہے۔ اب دال ساگ روٹی دیتے باوا صاحب کھا رہے ہیں اور اللہ اللہ کر رہے ہیں۔ سچ ہے کہ اللہ والوں کا وجود ہی رحمت و برکت ہوتی ہے۔ جس جگہ پر بھی چلے جائیں عامی سے عامی آدمی کو بھی پتہ چلتا ہے کہ کوئی اثرات والی شخصیت ہے۔ ہمارے ہاسٹل کا ہیڈ بیرا ہوتا تھا۔ وہ حضرت مولانا صاحب کا بہت معتقد تھا۔ فقیر اس کا نام تھا۔ ایک دفعہ میں نے ان سے پوچھا کہ فقیر تم کیسے معتقد ہوئے۔ اس نے بتایا کہ مولانا صاحب ایک دفعہ بیان کے لئے ہمارے ہاسٹل میں آئے تھے، نیچے بڑے ہال میں کامن روم تھا اور اس میں ٹی وی لگا ہوا تھا اور اوپر مسجد تھی۔ جوں ہی مولانا صاحب آ کر بیٹھے تو ٹی وی بند ہو گیا۔ بیان مکمل ہوا اور سب کچھ ختم ہونے کے بعد جب مولانا صاحب ہاسٹل سے تشریف لے گئے تو ٹی وی پھر چل پڑا۔ میں نے جب یہ دیکھا تو میں نے کہا کہ ضرور کوئی بات ہے اس عالم میں! تو سچ ہے اللہ والوں کی زندگی رحمت اور کشش ہوتی ہے۔ ان یہودی لڑکیوں کو بڑی چاہت ہوئی کہ یہ بڑا عجیب آدمی ہے۔ ان سے بات چیت کی جائے اور سب کچھ معلوم کیا جائے۔ کسی طرح انھوں نے یہ معلوم کر لیا کہ یہ سری لنکا کا رہنے والا ہے۔ وہ سری لنکا کے ایک آدمی کو لے کر آئیں کہ ان کی باتوں کا ترجمہ کرے۔ اہلِ کفر میں دعوت دینے کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ پہلے ان کو اسلامی اخلاق اور اسلامی صفات جو انسانوں کے لئے رحمت بنی ہیں ان کا تذکرہ کرو

اس سے اُن کے دل ہاتھ میں آجاتے ہیں۔ باوا صاحب نے انسانی اخلاق، ہمدردی خیر خواہی، خدمت اور اخلاص کا تذکرہ کیا۔ انھوں نے کہا کہ یہ آدمی تو بڑی عجیب باتیں کر رہا ہے۔ اب یہ لڑکیاں دن میں جاتیں لوگوں کو خبر کرتیں کہ ہمارے ہاں ایک وجیٹیرین بابا vegetarian آیا ہوا ہے۔ تم لوگ اس سے ضرور ملو اور اس کی باتیں سنو۔ کرتے کرتے باوا صاحب کا ایک پورا حلقہ بن گیا۔ بہت بڑا حلقہ اور اس میں لڑکے لڑکیاں آرہے ہیں اور انھوں نے اعلان کر دیا کہ "we are vegetarian society" یعنی ہم سبزی خوروں کی تنظیم ہیں۔ باوا صاحب انھیں کچھ نہیں کہتے تھے کہ تم نے سکرٹ کیوں پہنی ہے یا تم نے پردہ نہیں کیا ہوا۔ نہ عورتوں کو اور نہ ہی مردوں کو کچھ کہتے۔ سب آتے تھے، جب باوا صاحب بات کرتے تو خاموش بیٹھے ہوتے اور پھر چلے جاتے۔ ان سے کوئی توحید یا رسالت، آخرت، نماز، روزہ، کسی بات کا تذکرہ نہیں کیا۔ کچھ لوگ جو زیادہ قریب ہوئے اور ان کی طلب ہوئی تو انہیں ہدایت ہوگئی انھوں نے اسلام قبول کر لیا اور نمازیں شروع کر دیں۔ باقی بس وجیٹیرین سوسائٹی میں آتے تھے، ان کی باتیں سنتے تھے۔ ایک دن باوا صاحب نے ایک تحریر لکھوائی۔ اس میں لکھا کہ میں آپ کے سامنے جس حق انصاف اور ہمدردی، خیر خواہی، خدمتِ خلق اور نیک اور اخلاص، ان سب باتوں کا جو تذکرہ کرتا تھا ان سب کی بنیاد توحید یعنی لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ ہے اور یہ سب باتیں جس ہستی کی برکت سے ہمارے لئے آشکارا ہوئیں اور ہم پر ظاہر ہوئیں وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہستی ہے۔ اور سب نے مرنا ہے، آخرت کی طرف جانا ہے اور اعمال پیش ہونے ہیں اور حساب کتاب ہونا ہے اس لئے میری وصیت ہے کہ جتنے میرے متعلقین وجیٹیرین سوسائٹی میں آئے تھے وہ سارے کے سارے اسلام قبول کرنے کے بعد اسلامی اعمال شروع کر دیں۔ ان کی وصیت پڑھ کر سنائی گئی۔ ایک تہائی مجمع بھاگ گیا۔ ایک تہائی مجمع فوراً کھڑا ہوا۔ انھوں نے کہا جو کچھ باوا صاحب نے کہا آمنّا وصدقنا! ہمارا اس پر ایمان ہے۔ ایک تہائی مجمع نے چند دن غور و فکر کے لئے مانگے اور پھر انھوں نے بھی غور و فکر کر کے قبول کر لیا۔ فلاڈیلفیا (Philadelphia) میں ان کی مسجد بنی مرکز بنا اور پھر باوا صاحب نے کہا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ جتنی عورتیں اسلام قبول کی ہوئی ہوں وہ پردہ کریں۔ تو انگریز عورتوں نے اور کئی یہودی عورتوں نے جو مسلمان ہوئی تھیں پردہ کر لیا۔ انھوں نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ میری مسجد کے دو حصے ہوں۔ ایک مردوں کا حصہ ہو اور ایک علیحدہ عورتوں کا حصہ ہو۔ پھر

عورتوں کا حصہ علیحدہ کر دیا گیا۔ اگر کوئی دیکھنا چاہے تو باوا محی الدین صاحب کی ویب سائٹ بھی موجود ہے۔

عرض یہ کرنا تھا کہ اللہ والوں کو شہرت کی، اشتہار کی، تشہیر کی ضرورت نہیں ہوتی۔ شیخ سعدی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مشک آنست کہ خود بہ بوید نہ کہ عطار بگوید۔ خوشبو اور عطر وہ ہے جو کہ خود خوشبو دے نہ کہ عطار کو یہ کہنا پڑے کہ یہ خوشبو ایسی ہے اور ویسی ہے۔ اگر وہ خوشبو ہے تو خود اپنے آپ کو بتا دے گی کہ میں کیا ہوں، خوشبو ہوں کہ نہیں ہوں۔ ہمارے ہاں پشاور یونیورسٹی میں ایک دینی سیاسی پارٹی نے کوئی تقریب کرنا چاہی تو کوئی چالیس پچاس آدمی مسجد میں جمع ہوئے اور مسجد میں کیمرے لے کر بیٹھے ہوئے تھے۔ ہمارا ایک بھانجا ہے اس کا بڑا سیاسی جوش و جذبہ ہوتا تھا۔ وہ بھی گیا ہوا تھا شامل ہونے کے لئے۔ تھا تو سلسلے کا تربیت یافتہ۔ اس نے جو دیکھا کہ مسجد کے اندر فوٹو گرافی کر رہے ہیں۔ اس نے کہا اے اللہ کے بندو یہ کیا کر رہے ہو؟ انھوں نے کہا کہ جی ہم کیا کریں، میڈیا ہے آج کل، یہ باتیں ضروری ہوتی ہیں۔ اتفاقاً ان ہی دنوں اسلام آباد میں تبلیغی اجتماع ہو رہا تھا۔ اس نے کہا پچاس آدمی تو ہو نہیں اور میڈیا میڈیا کر رہے ہو اور وہاں اسلام آباد میں اڑھائی لاکھ آدمی جمع ہیں، کوئی میڈیا نہیں ہے۔ ان مدرسے والوں کو اللہ ہدایت دے۔ ہری پور کے ایک مدرسے نے اشتہار چھاپا، جن بچوں کی دستار بندی ہونی تھی ان کی تصویریں اشتہار پر لگائی ہوئی تھیں۔ ایک مدرسے کے مولوی صاحب نے اپنے مدرسے کی کارکردگی مجھے بھیجی تصویروں کے البم کی شکل میں، تصویروں کا پورا پلندہ بھیجا اس نے ساتھ۔ اللہ ہی ہدایت دے۔ میں نے کہا یہ مولوی صاحب خفا ہوگا ورنہ اس کو میں کہتا کہ اللہ پاک دین کے پھیلانے میں تیرا میرا محتاج ہی نہیں ہے کہ تو اور میں غیر معیاری حرکتیں کرتے ہوئے، اپنی شہرت کا سامان کرتے ہوئے لوگوں کو یہ تأثر دیں کہ ہم دین کی خدمت کر رہے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ مجھ سے اور تجھ سے کام لینا چاہتا ہے کہ ہم اخلاص کے ساتھ اپنی کارکردگی کا مظاہرہ کریں۔ اللہ پاک ہمارا محتاج نہیں ہے۔ اتنی بڑی مصیبت اور قتل کے خطرے سے اللہ پاک نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مکڑی کے جالے اور ایک کبوتر کے جالے کے ذریعے بچایا ہے۔ کتنی کمزور مخلوق مکڑی اور کتنی کمزور مخلوق کبوتر۔ ان دو کے ذریعے کو استعمال کیا اور اللہ نے بچایا۔ تو دین تیرا اور میرا محتاج نہیں ہے۔

(جاری ہے)

ملفوظاتِ شیخ ﴿ڈاکٹر فدا محمد دامت برکاتہ﴾ (قسط۔۴۱)

(ظہور الٰہی فاروقی صاحب)

تجھے اُس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں
کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاجِ سرِ دارا (اقبالؔ)

فرمایا کہ حجاج بن یوسف کے دور میں حج کے موقع پر مسلمانوں کے بحری جہاز انڈونیشیا سے عرب علاقوں کو واپس جا رہے تھے۔ دیبل کی تجارتی بندرگاہ جسے آج کل کراچی کہتے ہیں کے پاس سے گزر رہے تھے۔ یہ سندھ کے راجہ داہر کا علاقہ تھا۔ بحری ڈاکوؤں نے حملہ کیا اور جہاز کو لوٹ لیا۔ لوٹتے ہوئے سامان چھینا، مردوں کو قتل کیا اور مسلمان عورتوں کو چھینا۔ ایک لڑکی کو بالوں سے پکڑ کر کھینچ رہے تھے تو اس نے کہا یا آل الحجاج! یا آل الحجاج ! یا آل الحجاج! (اے حجاج! اے حجاج! اے حجاج!) حجاج عراق کا گورنر تھا۔ یہ واقعات حجاج کو سنائے گئے کہ اس طرح مسلمان آرہے تھے اور ان کے جہاز پر ڈاکہ پڑا اور یہ سب کچھ ہوا۔ اور ایک مسلمان عورت کو جب گھسیٹ کر لے جا رہے تھے تو اس نے یہ آواز لگائی یا آل الحجاج! اے حجاج کہاں ہو؟ تو حجاج اپنے مسند پر کھڑا ہوا اور کہا لبیک یا اُختی! لبیک یا اُختی! (اے میری بہن! میں حاضر ہوں، اے میری بہن! میں حاضر ہوں، اے میری بہن! میں حاضر ہوں)۔ اس نے راجہ داہر کو پیغام بھیجا کہ تمہارے علاقے میں ہمارے لوگوں کو ڈاکوؤں نے لوٹا ہے اُن کی دادرسی ہو۔ ڈاکوؤں کو پکڑا جائے اور ہمارے لوگوں اور سامان کو واپس کیا جائے جیسا کہ مذاکرات کا طریقہ ہوتا ہے۔ تو راجہ داہر نے آگے سے کہا (جس طرح کہ جھوٹے لوگوں کا طریقہ ہوتا ہے) کہ ڈاکوؤں کو پکڑنا میرے بس میں نہیں ہیں۔ حجاج نے کہا اچھا! جب ڈاکو تیرے بس میں نہیں ہیں تو تجھے حکومت کا حق کس نے دیا ہے۔ حجاج بن یوسف نے اپنے سترہ سالہ بھتیجے محمد بن قاسمؒ کو بارہ ہزار کے لشکر کے ساتھ بھیجا۔ محمد بن قاسمؒ آیا، اُس وقت مسلمان ایک منظّم حال میں تھا۔ معلوم ہوا کہ وہاں سخت گرمی ہوتی ہے اور پانی کڑوا ہے، دوسرے علاقے کے لوگوں کو دَست لگ سکتے ہیں، اُس کا کیا

علاج کریں گے؟ اس کا علاج سِرکہ ہوتا ہے۔ سِر کے میں روئی کو بھگو کر روئی کو خشک کر کے اُونٹوں پر لادا گیا۔ کہ وہاں پانی میں بھگو کر نچوڑیں گے تو دوبارہ سِرکہ بن جائے گا۔ اور اُس وقت کی فوجی ترقیات میں سے مسلمانوں کے پاس تین چیزیں تھیں، منجنیق، دبابہ اور نفت۔ منجنیق میں بڑے بڑے پتھروں کو رکھ کر کھینچا جاتا اور چھوڑ کر پھینکا جاتا، یہ اُس زمانے کی گولہ باری تھی۔ دبابہ لکڑی کی بنائی ہوئی گاڑی ہوتی تھی جس میں لوگ بیٹھ کر اُس کے پہیوں کو دھکیل کر آگے بڑھاتے تھے اور قلعے کی دیوار تک لے جاتے تھے۔ اُس پر تیر، پتھر، کھولتا ہوا تیل اور گرم پانی جب پھینکتے تو اثر نہیں کرتا تھا، یہ اُس زمانے کا ٹینک تھا۔ اور نفت ایک مصالحہ ہوتا تھا جو تیر کے آگے نوک پر لگاتے تھے تو وہ تیر جہاں گرتا وہاں آگ لگتی تھی۔

محمد بن قاسمؒ نے آکر سمندر کے کنارے اپنا منجنیق نصب کیا۔ اُس منجنیق کا نام عروس تھا۔ اُس نے جو پہلا حملہ کیا ہے تو اُلٹ دیا راجہ داہر کو اور ایسی چڑھائی کی ہے کہ ملتان تک پہنچا ہے۔

بری عادتیں کیا ہیں اور وہ کہاں سے پیدا ہوتی ہیں؟

فرمایا کہ یہ بری عادتیں ہماری شخصیت کے منفی پہلو کا اظہار ہیں۔ یہ کبر، حسد، لالچ، کینہ اور ریاکاری اور مادی اشیاء کے حصول کے لئے وقف ہو کر زندگی گزارنا ہیں۔

اس چیز کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے کہ جب مادی اشیاء کے حصول کے لئے انسان انہماک اور مصروفیت کر لیتا ہے تو مذہبی اُصول اور اخلاقِ عالیہ کم ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ وقت کے گزرنے کے ساتھ ان کی جگہ لالچ، کبر، حسد اور ریاکاری لے لیتے ہیں۔ یہ خصلتیں ہماری شخصیت کا حصہ بن جاتی ہیں۔ ایسی شخصیت معاشرے کے لئے زہر ہے۔ معاشرے، خاندان اور اپنے لئے ذریعۂ نقصان ہے۔

اصل قرب ....قرب بالفرائض ہے،اس کے بعد نوافل میں کوشش ہے:

فرمایا کہ حضرت تھانویؒ سے کوئی آدمی بیعت ہوئے، کوئی اہلِ علم تھے۔ بیعت ہونے

کے بعد کہتے ہیں کہ معمولات کی پابندی کرو، تہجد کی پابندی کرو، ذکر کی پابندی کرو، مختلف نوافل کی پابندی کرو۔ فرائض کی پابندی تو ہر کسی پر لازم ہی ہے۔ تصوف میں جو ترقی ہوتی ہے وہ نوافل کی پابندی سے ہوتی ہے۔ اس لیے اہلِ تصوف دو قسم کے ہوئے ہیں، ایک محققین اور ایک غیر محققین۔ غیر محققین نے تو سُنا ہوا ہے کہ تصوف میں ترقی نوافل سے ہوتی ہے لہٰذا وہ نوافل پر زور دیتے ہیں اور فرائض سے فارغ ہو جاتے ہیں، فرائض کا اہتمام نہیں کرتے۔ محققین کو اس بات کا پتہ ہوتا ہے کہ ترقی نوافل سے ہوتی ہے...... یقیناً، لیکن نوافل سے ترقی فرائض کے بعد ہوتی ہے۔ جب آپ اپنے فرائض مکمل کر لیں، اُس کے بعد نوافل میں کوشش کریں۔ اصل قرب.. قرب بالفرائض ہے۔ اس کے بعد نوافل میں کوشش ہے۔ پھر قربِ خاص نصیب ہوتا ہے۔ تو انہوں نے معمولات کی پابندی کی۔ اور پابندی کرتے رہے۔ بیٹا بیمار ہو گیا۔ اب بیٹا بیمار ہو کر ساری رات روئے اور جب روئے تو اِن کو سونا نصیب نہ ہو، اور جب پہلی رات سوئے نہیں تو تہجد کے لیے اُٹھ نہ سکے، تہجد رہ گئی۔ اب ان کا خیال تھا کہ آدمی بزرگ بنتا ہے تہجد پڑھ کے۔ تو وہ بیٹے کی ڈانٹ ڈپٹ کرتے، اس پر غصے کرتے، شور مچاتے۔ بیٹا ایسا بیمار تھا کہ کچھ احساس نہیں ہوا، ایک رات اس کی وفات ہو گئی۔ تو انہوں نے خط لکھا کہ حضرت... بیٹے کی وفات ہو گئی ہے اور میں اپنی کوتاہی سے یہ بات سمجھ نہ پایا کہ وہ شدید بیمار ہے، اُلٹا میں اس پر غصے کرتا رہا کہ میرے معمولات پر فرق ڈال رہے ہو، میری نیند کو خراب کر رہے ہو۔ بہر حال اس کی وفات ہو گئی۔ میں بہت دُکھیا ہوں اور میرا دل دُکھ گیا ہے۔ مجھے اس کی یاد آتی ہے اور اپنی کوتاہی کا احساس ہوتا ہے تو اس سے میں اور پریشان ہو جاتا ہوں۔ حضرت نے پہلے ان کی تسلی اور غم کا علاج کرتے ہوئے بعد میں لکھا کہ وہ تو وفات پا گیا لیکن تجھے انسان بنا گیا۔ تجھے اس بات کا احساس دِلا گیا کہ بیمار کی دیکھ بھال تہجد سے زیادہ ضروری تھی، اس کا علاج معالجہ ضروری تھا۔ اس میں اگر وقت ملتا تو تہجد بھی پڑھ لینا چاہیے تھا اور اگر اس مصروفیت سے تہجد رہ گئی تو اس پر افسوس اور قلق ہونا چاہیے تھا۔ بس یہ شریعت کی ترتیب تھی۔ قربِ الٰہی تو ایسے حاصل ہوتا ہے۔ قربِ الٰہی تو امرِ حال کے سمجھنے سے ہوتا ہے کہ اس وقت میں نے کیا کرنا

ہے۔ آدمی ماشاء اللہ کھڑا ہے با جماعت نماز میں اور آگے سے چھوٹا بچہ سڑک پر آ گیا اُدھر سے گاڑی آ گئی، اس کے کچلے جانے کا خطرہ ہے، اب مجھے ہی پتہ چلا، اور ماشاء اللہ بڑے خشوع وخضوع سے نماز پڑھ رہا ہوں، اب یہ نماز تعلقِ الٰہی نہیں دِلا رہی ہے اب امرِ الٰہی یہ ہے کہ نماز توڑ دوں اور دوڑوں آگے جا کر اس بچے کو اُٹھاؤں، اس کو محفوظ کروں، جب محفوظ ہو جائے تب دوبارہ نماز شروع کروں۔

ڈاکٹروں کے لیے ہے کہ اگر یہ مریض سے ہٹتے ہیں اور ٹلتے ہیں تو مریض کی جان جانے کا خطرہ ہے، دائی کے لیے ہے کہ اگر زچہ یعنی جننے والی عورت اور بچہ کی جان اس کے تجربے سے خطرے میں ہے تو یہ نماز کو مؤخر کرے گی۔ یہاں تک مؤخر کرے گی کہ آخری وقت میں پڑھے گی۔ اور اگر اس کو اندازہ ہوا کہ اب اگر میں ادھر سے ہٹتی ہوں تو ان میں سے کسی کی جان جاتی ہے تو یہ نماز کو قضا کرے گی اور پھر پڑھے گی، اس کو قضا کا گناہ نہیں ہے۔

سانچ کو آنچ نہیں:

فرمایا کہ ہمارے ایک بزرگ حضرت مولانا محمد عمر پالن پوری صاحبؒ نے اپنے بیان میں ایک واقعہ سنایا کہ ہندوستان میں ایک بیل گاڑی والے نے بستی نظام الدین (ہندوستان کا تبلیغی مرکز) آ کر جماعت میں چلہ گزارا۔ آدمی سیدھا سادہ تھا۔ صحیح یقین، توحید، اتباعِ سنت، سچ، انصاف اور دیانتداری کے اُصول سیکھ لئے اور عملی زندگی میں برتنے لگا۔ ایک دن اچانک ایک بچہ اس کی بیل گاڑی کے نیچے آ کر مر گیا۔ بچے کو خود اُٹھا کر اور تھانے پہنچا کر اپنی گرفتاری کروالی اور سچ سچ بیان دے دیا۔ برادری کو پتہ چلا انہوں نے وکیل کیا۔ وکیل صاحب نے آ کر اس گاڑی بان کو بیان سمجھایا لیکن اس سیدھے سادھے آدمی نے آگے سے کہا کہ وکیل صاحب اُس وقت آپ موجود نہیں تھے میں خود موجود تھا۔ لہٰذا بیان یہ ہے۔ وکیل صاحب کو اندازہ ہوا کہ سادہ لوح آدمی وکیل کی سمجھداری کی بات کو سمجھ نہیں سکتا۔ غرض اس مقدمے کو اپنے حال پر چھوڑ دیا گیا۔ اس نے از اول تا آخر بالکل

بیان نہیں بدلا۔ مقدمے کی کاروائی مکمل ہوئی، جج صاحب نے فیصلہ سنایا کہ اتنا دیانتدار، راست باز اور سچا آدمی اس بات کا حق رکھتا ہے کہ بجائے اسے سزا دینے کے اسے معاشرے میں رکھا جائے تاکہ معاشرے میں شانتی (امن) اور سدھار (اصلاح) آئے۔

واقعی سچائی اور دیانتداری تو انسانی صفات ہیں۔ مسلمان نے تو ان کی قدر کرنی ہی ہے کہ اس کے لئے آخرت کا سرمایہ، اللہ کی رضا اور نجات کا سامان ہیں۔ لیکن کافر، ہندو بھی اس کی قدر کرتا ہے کیونکہ معاشرے میں اطمینان، اصلاح اور سدھار اس کی وجہ سے ہی ہے۔ اس طرح اُس گاڑی بان کو وکالت کے دلائل کی جگہ سچ کی حقیقت کام آئی اور نجات کا سامان بنی۔

اللہ کے مقبول بندوں کو بہت فکر ہوا کرتی ہے:

فرمایا کہ بندہ کو جن بزرگوں کی صحبت حاصل ہوئی ان میں حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحبؒ دہلوی تبلیغی جماعت کے امیر تھے، بندہ کے شیخِ اول تھے کیونکہ بندہ نے ۱۹۶۹ء میں پہلی بیعت انہیں سے کی تھی۔ تبلیغی دورے کے لئے ملائیشیا یا انڈونیشیا کا سفر فرما رہے تھے، سرحد پر داخلے کے وقت عملے نے پوچھا کہ آپ کے پاس پیسے کرنسی وغیرہ تو نہیں ہے۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ نہیں ہے۔ آگے جانے کے بعد اچانک جیب میں ہاتھ ڈالا تو ایک روپیہ نکل آیا۔ انتہائی پریشان ہوئے اور خوب توبہ اور استغفار کی کہ جیب میں ایک روپیہ تھا اور میں نے کہہ دیا کہ نہیں ہے۔

ع مقبلاں را بیش بود حیرانی

ترجمہ: مقبول بندوں کو بہت فکر ہوا کرتی ہے۔

تجارت مقصدِ ثانوی اور اشاعتِ دِین مقصدِ اولیٰ ہونا چاہیے:

فرمایا کہ مسلمانوں کے بارہ خاندان انڈونیشیا اور ملائشیا کے علاقے میں تجارت کیا کرتے تھے۔ ان لوگوں کے بڑے عجیب حالات ہیں ان بارہ خاندانوں نے موجودہ انڈونیشیا، موجودہ

ملائشیا، موجودہ بنگلہ دیش، ان علاقوں کو مکمل مسلمان کیا ہے اور باقی تھائی لینڈ وغیرہ میں بھی مسلمانوں کی ایک تعداد ان لوگوں کی وجہ سے موجود ہے۔

یہ لوگ حج کے موقع پر بحری جہازوں میں عرب علاقوں کی طرف واپس سفر کیا کرتے تھے۔ حج بھی کر لیتے تھے، اپنے خاندانوں سے بھی مل لیتے تھے اور پھر اپنے کاروبار پر واپس آجاتے تھے۔ یہ لوگ جب واپس جا رہے تھے کہ راستے میں بنگال کے پاس جہاز طوفان میں پھنس گیا۔ سخت اضطراب اور Panic کے حالات ہو گئے۔ ان اضطراب کے حالات میں مسافر جہاز کے عملے کو کوسنے لگے کہ تم بیوقوف ہو، تمہیں طریقہ نہیں آتا، تم کام نہیں کرتے ہو وغیرہ۔ ملاح ان کو جواب میں کہتے ہیں کہ تم بڑے بدنصیب ہو، تمہاری وجہ سے طوفان آیا ہے۔ ایک دوسرے کو کوس رہے ہیں، ایک دوسرے کے خلاف لگے ہوئے ہیں، لڑ رہے ہیں۔ دوسری طرف کچھ لوگ تھے جو جہاز کے چاروں کونوں میں پھیل گئے اور وہاں دُعا میں لگ گئے جبکہ باقی لوگ سننے لگے کہ یہ کیا کہہ رہے ہیں۔ وہ کہہ رہے تھے، یا اللہ! تیری پکڑ گناہوں پر آیا کرتی ہے، یا اللہ! ہم گنہگار ہیں، ہم آپ کے حضور توبہ کرتے ہیں۔ یا اللہ! ہماری توبہ کو قبول فرما۔ یا اللہ! تو ہمیں بھی اور جہاز والوں کو بھی بچا لے۔ یہ لوگ دعا مانگتے رہے یہاں تک کہ جہاز طوفان سے نکل آیا۔ اس جہاز کے حالات بنگال کے اس وقت کے فرمانروا کو سنائے گئے کہ ہمارے جہاز میں ایسے آدمی تھے کہ دُعا کرتے رہے اور ہمیں یقین ہے کہ ہم ان کی دُعاؤں کی برکت سے نکلے ہیں۔ اُس نے کہا کہ ان خاندانوں کو لاؤ۔ اُن کو پھر چاروں کونوں میں آباد کیا گیا۔ ان تاجروں نے چاروں کونوں سے تجارت اور دِین کا کام شروع کیا اور تھوڑے عرصے میں پورے بنگال کو مسلمان کیا کیونکہ وہ با مقصد لوگ تھے۔ تجارت اُن کا مقصدِ ثانوی تھا اشاعتِ دین مقصدِ اولیٰ تھا۔

(جاری ہے)

☆☆☆☆☆☆☆

سفر نامہ (پہلی قسط)

(ڈاکٹر تیمور صاحب، امریکہ)

میں اس بار جب نیویارک کے JFK ائرپورٹ پر اترا تو خدشہ اس بات کا تھا کہ امیگریشن والے کہیں صرف ایک مہینے کا داخلہ دے کر فارغ نہ کردیں۔ ڈاکٹر اعجاز حسن بندہ کے استاد اور محسن ہیں جن کا میں تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔ انہوں نے مجھے جاتے وقت وظیفہ بتایا کہ "یا واسع" پڑھتے رہو۔ بندہ سے پہلے چند ڈاکٹر حضرات اسی طرح چند دنوں کے ویزے پر امریکہ داخل ہوئے تھے مگر ان کو چھ مہینے سے زیادہ داخلہ نہیں ملا۔ میرے پاس صرف چار دن ویزے کے باقی تھے اور وظیفہ کی برکت سے انہوں نے میری زبانی درخواست پر پورے ایک سال کا داخلہ دے دیا۔ بندہ کی خیبر میڈیکل کالج کے طالب علمی کے زمانے سے لے کر اب تک ہر مرحلے میں پروفیسر اعجاز حسن صاحب کی خصوصی توجہ حاصل رہی اور میرے پورے سفر میں انہوں نے میری بھرپور مدد کی۔ یہاں پر میں چند چیدہ چیدہ واقعات لکھنا چاہوں گا۔

۱) امریکہ میں Specialization کی ٹریننگ حاصل کرنے کے لئے بندہ کو چند مرحلوں سے گزرنا پڑا۔ جس میں چند امتحان اور کسی اچھی Speciality میں داخل ہونے کے لئے ہسپتالوں میں کسی مشہور ڈاکٹر کے ساتھ کام اور Post doctoral research کے مراحل ہیں۔ میں ابھی Post doctral research کے مرحلے سے گزر رہا ہوں۔ بندہ کی خوش قسمتی ہے کہ ڈاکٹر حاجی فدا محمد صاحب دامت برکاتہم کی دعاؤں کی برکت سے مجھے اپنی research میں استاد ایک سلسلہ قادریہ میں بیعت شدہ ڈاکٹر صاحب ملے۔ ان کی پیدائش امریکہ میں ہوئی مگر انہوں نے زندگی پانچ مختلف ممالک میں گزاری ہے۔ یہ شگاگو میں مقیم ایک بزرگ شیخ امین کے مرید ہیں اور ہر سال دنیا سے آئے ہوئے مسلمان ڈاکٹروں کی مدد کرتے ہیں۔ ہماری Post doctral research کی خاص بات یہ ہے کہ ڈاکٹر حضرات کو EEG (دماغی لہریں) پڑھنے کے علاوہ مختلف Projects میں بھی شامل ہونے کا موقع فراہم کیا جاتا ہے۔ میرے استاد محترم کی تحقیق زیادہ تر مرگی کے ان بیماروں پر ہے جو اصل میں مرگی کے مریض نہیں ہوتے مگر ان کی علامات مرگی سے بہت ملتی جلتی ہیں۔ ایسے مریضوں کو ہم Pseudo seizures کہتے ہیں اس کی غلط تشخیص کی وجہ سے بعض اوقات ان بیماروں کو تکلیف

اُٹھانا پڑتی ہے۔ان میں اکثر تعداد ان خواتین کی ہوتی ہے جو جسمانی اور جنسی تشدد کا شکار ہوئی ہوتی ہیں۔ یہاں پر دلچسپ بات یہ ہے کہ ان کے لئے ہم نے مراقبہ کلینک (Meditation clinic) بنائی ہوئی ہے۔پورے ڈیپارٹمنٹ سے جو مریض (Pseudo seizures) کے ہوتے ہیں وہ ہمارے پاس بھیجے جاتے ہیں۔میرے استاد ان کا علاج شیخ امین صاحب کے بتائے ہوئے وظیفوں سے کرتے ہیں۔اس کی مثال اسی طرح لے لیجیئے کہ جس طرح چند ماہ پہلے ایک مِرگی کی ایک مریضہ کا ذکر ڈاکٹر سفیر صاحب نے کیا تھا کہ وہ '' نقش '' کے باقاعدہ پڑھنے سے ٹھیک ہوگئی تھی۔ بندہ کو حیرت ہوتی ہے کہ امریکہ جیسے مادیت پرست ممالک میں جہاں ایسے مریضوں کو اور مرگی کے ڈاکٹر سائیکارٹسٹ (Psychiatrists) کی طرف بھیج دیتے ہیں۔ وہاں پر اللہ تعالیٰ نے تصوف کے سلسلوں کے تربیت یافتہ لوگوں کو رحمت کا ذریعہ بنایا ہوا ہے جو نہ صرف (Pseudo seizures) کے مریضوں کی شفا کا ذریعہ بنے ہوئے ہیں بلکہ ان کی ہدایت کا ذریعہ بھی بن رہے ہیں۔یقیناً اللہ رب العزت اپنے اولیاء کی برکت سے عوام الناس کی بیماریوں اور تکلیفوں کا سدباب ہر جگہ کرتے ہیں۔میری ڈیوٹی میں مختلف ڈاکٹر حضرات سے واسطہ پڑتا ہے۔یہاں پر ایک ایرانی ڈاکٹر کا دلچسپ تذکرہ کرنے سے پہلے ایک بات بتانا چاہوں گا کہ امریکہ میں زیادہ تر ڈاکٹر باہر ملکوں سے آئے ہوئے ہیں اور یہاں کہ مقامی باشندے بہت کم ڈاکٹری کی لائن میں آتے ہیں کیونکہ یہاں کے لوگ زیادہ تر ایسی فیلڈز میں جانا پسند کرتے ہیں جس میں کام کم اور پیسے زیادہ ہوں۔ڈاکٹری میں اگرچہ پیسے زیادہ ہیں مگر اس کے لئے محنت بھی زیادہ کرنی پڑتی ہے۔ یہ ایرانی ڈاکٹر صاحب اپنی زندگی کے ۳۰ سال بطور اہلِ تشیع گزار چکا ہے۔مگر اس کے مطابق اس کو وہ سب کچھ عبث معلوم ہوتا ہے اور اب وہ پورا دہریا ہے۔ جب بھی میری ساتھ ڈیوٹی آتی تو مجھ پر اعتراض کرتے کہ اسلام میں فلانی فلانی خامیاں ہیں۔ یہاں پر میں ان کے چند اعتراضات اور ان کے جوابات ذکر کرنا چاہوں گا۔اس کے شیعہ علماء پر زبردست اعتراضات تھے،ان کے زندگی کے طور طریقوں پر اور بہت سی چیزوں پر۔اب وہ سائنس کا پجاری ہے اور ہر چیز میں سائنسی تاویل سے چیزیں سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔میں نے اس سے سادہ سا ایک سوال پوچھا کہ فرائیڈ جس کو نفسیات میں بہت مقام حاصل ہے، وہ کہتا ہے کہ ماں کا اپنے بیٹے سے پیار اور باپ کا اپنی بیٹی سے پیار بھی شہوت کی وجہ سے ہی ہے۔ میں

نے کہا امریکہ میں تو باپ بیٹی، ماں بیٹے کا اور بہن بھائی کی آپس کی کوتاہیاں ہوتی رہتی ہیں۔ اگر ایسا مریض آجائے تو اس کو تو صرف تم لوگ یہی کہتے ہو کہ جو کرنا چاہتے ہو کرو مگر حفاظتی تدابیر اختیار کرو۔ میں نے کہا تم مجھے ایسے سائنسی مذہب کا سہارا دینا چاہتے ہو جہاں اس بدترین فعل کا بھی جواز ہے۔ یہ سن کر وہ خاموش ہو گیا اور فضول سوالات کرنا بند کر دیئے۔ جتنے ایرانی میں نے امریکہ میں دیکھے ان میں سے اکثر اپنے عقیدے کو کھو چکے ہیں۔ دراصل اسلام کی جو تصویر ایران مین پیش کی جاتی ہے وہ اسلامی تعلیمات کے خلاف ہونے کی وجہ سے غیر منطقی، غیر عقلی اور بہت بودی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ اپنے ان عقائد کے ساتھ یہاں کی تہذیب و ثقافت میں چل نہیں سکتے، چنانچہ شیعت کو چھوڑ کر عیسائیت اور دہریئیت کا شکار ہو جاتے ہیں گویا آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا۔

امریکہ میں ٹریننگ کی جو خاص باتیں ہیں وہ تو یہ ہیں کہ یہاں پر ایمرجنسی میڈیسن میں جو علاج موجود ہیں وہ کم ہی ہسپتالوں میں پاکستان میں موجود ہیں۔ اس کے علاوہ یہاں پر تحقیق کے بڑے بڑے ادارے موجود ہیں مگر اکثر تحقیقی اداروں کے امریکی سربراہوں کے نیچے باہر سے آئے ہوئے ڈاکٹر حضرات کام کر رہے ہیں۔ ریسرچ میں اکثر ہیرا پھیری بھی ہوتی ہے جہاں پر محض الفاظ و اعداد و شمار کا ہیر پھیر کر کے ملٹی نیشنل دوائیوں کی کمپنیوں کی دوائیوں کی شہرت کے لئے غلط رپورٹیں دی جاتی ہیں جس کا پروفیسروں کو بڑا معاوضہ ملتا ہے۔ یہاں پر ٹریننگ کے دوران ملنے والی مزدوری سستی مزدوری ہے۔ لیکن اگر آپ ایک ڈالر مریض سے کماتے ہیں تو Insurance کمپنی آپ کے سر پر دس ڈالر کمائے گی۔ یہاں پر اکنامکس کے اصول اتنے گھناؤنے ہیں کہ بندہ کو حیرت ہوتی ہے کہ اس قدر ظالم نظام ہے پیسے بٹورنے کا۔ میں یہاں پر علامہ اقبال سوسائٹی آف نارتھ امریکہ کے صدر ڈاکٹر ٹیپو صدیقی کا ذکر ضرور کرنا چاہوں گا جنہوں نے ایک اعصابی بیماری (ALS) کا علاج دریافت کیا ہے۔ ان کا گھر علامہ اقبال کی کتب کی لائبریری ہے اور یہ شگاگو میں ایک یونیورسٹی میں نیورالوجی کے پروفیسر ہیں۔ ان کی اس دریافت نے سائنسی حلقوں میں بڑی دھوم مچا دی تھی کیونکہ اس سے اس مرض کے علاج کی راہیں کھلتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ اس دریافت سے بہت سے مسلمان اور پاکستانی سائنسدانوں کا حوصلہ بہت بلند ہو گیا ہے کیونکہ ایسی دریافتیں آج کل مسلمان دنیا میں ناپید ہو گئی ہیں۔ انہی وجوہات کی بناء پر آج پوری مسلم دنیا میں بھی

تھنک ٹینک بنانے کی ضرورت ہے۔ اسی سلسلے میں ایک کا ذکر میں ابھی کر دیئے دیتا ہوں۔ اوریا مقبول جان مشہور کالم نگار ہیں جو ایکسپریس میں لکھتے ہیں۔ وہ ۱۸ فروری ۲۰۱۲ء کو العلم ٹرسٹ کی بنیاد رکھ چکے ہیں جس میں وہ متبادل نظام کے تمام اصولوں کی بنیاد رکھنے کے لئے تمام اہل علم کو دعوت دے چکے ہیں۔ یہ اس ملک کے لئے معاشی نظام، بیوروکریسی کے قوانین، تعزیرات، تعلیمی نظام اور نصاب کی تدوین، عدالتی نظم اور قانون نافذ کرنے والے داروں کے نظم و نسق پر قانوں مرتب کرنے کی کوشش کرے گا۔ اس کے لئے وہ دار الترجمہ بھی بنا رہا ہے جس میں وہ ہر کتاب کا اردو میں ترجمہ کرنے کا انتظام کرے گا۔ انسان اپنی زبان میں جب سوچتا ہے تو اس پر تحقیق کے دروازے کھلتے ہیں۔ دوسری زبان میں سوچنے سے پہلے تو اس زبان کو صحیح طرح سے سیکھنا پڑے گا۔ اوریا کا تعلق غالباً سلسلہ نقشبندیہ سے ہے اور ان کا کہنا ہے کہ مسلمانوں نے جب بغداد میں ہاروان الرشید کے دور میں سب کتابوں کا عربی میں ترجمہ کرایا تو مسلمانوں کو بڑی علمی ترقی ہوئی اور اب بھی اس سقوط بغداد اور سقوطِ اندلس پر غور کیا جائے تو ہمیں علمی دنیا کی ساری کتابوں کو اپنی زبان میں ترجمہ کرنا ہوگا۔ یہاں پر اسی طرح کے ایک اور تھینک ٹینک کا ذکر کرنا چاہوں گا جس کی بنیاد بھی اوریا مقبول جان کی طرح ایک CSS Officer رکھ رہے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ میڈیکل ڈاکٹر بھی ہے اور امریکہ میں (Pain Medicine) کی پریکٹس کر رہا ہے۔ یہ بندہ کا نیویارک میں استاد ہے اور مجھے اس سے EMG (پٹھوں کا ایک ٹسٹ) سیکھنے کا موقع ملا۔ ان کو بھی جذبہ علامہ اقبال سے ہی ملا ہے۔ ان کی کوشش یہ ہے کہ پاکستان میں اس طرح کی تنظیمیں بنی چاہئیں جو اپنی زندگی میں سادہ اصولوں پر کاربند ہوں۔ ان کے پاس شمسی توانائی پر چلنے والی چیزیں ہوں اور ان پر ڈالر کے اتار چڑھاؤ کا کوئی اثر نہ ہو۔ تفصیل کے لئے حضرات ان کی ویب سائٹ پر جاسکتے ہیں۔ (www.positivethinkersclub.net) یہ سب آثار بتا رہے ہیں کہ جب اندھیرا زیادہ ہو جائے تو صبح قریب ہوتی ہے۔ یہاں پر میں آمش قبیلہ کا ذکر کرنا پسند کروں گا۔ امریکہ کے مختلف شہروں میں آپ کو اکثر ایسے لوگ نظر آئیں گے جن کے مردوں کی لمبی لمبی داڑھی ہوگی، مونچھیں کٹی ہوں گی۔ عورتوں نے لمبے لمبے لباس پہنے ہوں گے اور سر ڈھانپنے کے لئے ٹوپی رکھی ہوگی۔ یہ امریکہ میں رہتے ہوئے اپنی زندگی بڑی سادہ اصولوں پر گزارتے ہیں۔

(جاری ہے)

منصور الزماں صدیقی صاحب

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہ)

بندہ صدیقی ٹرسٹ کراچی کی دینی سرگرمیوں کے سلسلے میں ان کے لٹریچر اور دینی پمفلٹس کی اشاعت سے آگاہ تھا جو کہ پڑھے لکھے طبقے میں بہت مقبول تھے۔ اس کے علاوہ ان کی دوسری رفاہی سرگرمیاں بھی سامنے آئیں۔ کوئی تعارف یا واقفیت نہیں تھی لیکن ٹرسٹ کو چلانے والوں کی ایک قدر دل میں پیدا ہوئی اور ان کے لئے دل سے دعا ہوتی تھی کہ اللہ انھیں شاد، آباد رکھے۔ ان کی کوششوں کو قبول فرمائے۔

اچانک جناب حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب کی طرف سے کتاب "تذکرہ محمد منصور الزماں صدیقی صاحب" تبصرے کے لئے آ گئی۔ انتہائی خوشی ہوئی کہ وہ شخصیت جن کی وجہ سے صدیقی ٹرسٹ چلا، اِس تذکرے والی شخصیت اس ٹرسٹ کی بانی ہے۔ خیال ہوا کہ کوئی بہت بڑے عالم ہوں گے یا دنیا کی کوئی بڑی ڈگری رکھنے والی شخصیت ہوں گے۔ کتاب سے پتہ چلا کہ صرف حفظِ قرآن کیا ہے اور بس۔ اس کے علاوہ نہ دنیا کی تعلیم نہ کالج کی ڈگری۔ اندر حالات دیکھے تو ایسے محسوس ہوتا ہے کہ اس دور کے حکیم الامت اور مجدد الملت جناب حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب نے اپنی تعلیمات اور جدوجہد سے جس درجے کی تربیت اپنے مریدوں کو دینا چاہی اس لحاظ سے منصور الزماں صاحب گویا ایک کامل مکمل روحانی شخصیت ہیں۔ پھر کسی مدرسے کے مفتی نہیں، شیخ الحدیث نہیں، مہتمم نہیں، شیخِ طریقت نہیں، محض ایک تاجر ہیں۔ لیکن تاجر ایسے کہ جنھوں نے تجارت کرتے کرتے اپنی خداداد صلاحیتوں کو استعمال کرتے ہوئے اپنے خون پسینے سے کمائے ہوئے پیسوں کو ایسے خدمتِ دین اور خدمتِ خلق کے لئے استعمال کیا کہ بڑے بڑے تصوف کے مشائخ اور مدرسوں کے مہتمم حضرات کے لئے قابلِ رشک۔

جناب عبدالقیوم حقانی صاحب اگر چڑی چڑے کی کہانی بیان کرنا چاہیں تو اسے بھی علوم و معارف، نصیحت و موعظت کا مرقع بنا دیتے ہیں۔ ادبی چاشنی اُس پر مزید ہوتی ہے۔

صدیقی صاحب کے حالات یہ بتارہے ہیں کہ واقعی بعض گھرانے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کا اپنے گھر کا ماحول ایسا ہوتا ہے نیز مدارس، علماء اور مشائخ کے ساتھ ان کے تعلقات ایسے ہوتے ہیں کہ ان گھروں سے منصور الزماں صدیقی صاحب جیسی شخصیات تیار ہوتی ہیں۔ مطالعہ کا شوق رکھنے والے حضرات اس کتاب کو ضرور پڑھیں۔ بندہ کی سلسلہ کے سارے مریدوں کو وصیت ہے کہ اس کتاب کا خوب چرچا کریں کیونکہ اس کتاب سے دنیادار، کارخانہ دار اور مالدار طبقے کے سامنے دینی زندگی کا ایسا ڈھنگ آئے گا کہ اگر اُس کو اپنا لیں تو بڑے بڑے علماء اور مشائخ کے لئے قابلِ رشک بن جائیں گے۔

☆☆☆☆☆☆☆

ایک معذور کی فریاد رسی

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں ایک مرتبہ حج کے لئے جارہا تھا۔ اچانک راستے میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک کوا منہ میں روٹی لئے ہوئے ایک طرف اُڑا جارہا ہے۔ جی میں آیا دیکھوں یہ کہاں جاتا ہے۔ تھوڑی دور جا کر ایک مقام پر بیٹھا، دیکھا تو وہاں ہاتھوں پیروں سے معذور ایک شخص پڑا ہے اور وہ کوا اس کے سینے پر بیٹھا پنجے سے ٹکڑا توڑ کر اسے کھلا رہا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد اُڑ گیا اور منہ میں پانی لایا۔ پھر اسے پلایا۔ اسی طرح کئی مرتبہ گیا اور آیا۔ پھر اسے کھلا پلا کر اُڑ گیا۔ میں سخت حیران تھا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا عجیب تماشا دیکھا تھا۔ اس شخص سے جا کر پوچھا یہ کیا ماجرا ہے، میری عقل گم ہے؟

اس نے کہا: ”ہمارا قافلہ حج کو جاتا تھا، اچانک ڈاکو ٹوٹ پڑے، سارے قافلے کو قتل کر گئے اور سب سامان لوٹ کر لے گئے۔ اس لوٹ مار میں میرے ہاتھ پاؤں کٹ گئے تھے۔ مجھے ہاتھ پیر کٹا جان کر چھوڑ گئے۔ میں تین دن کا پیاسا تڑپتا رہا، پانی منہ میں نہ گیا، جب جاں بلب ہوا اور زندگی سے مایوس ہوا تو اللہ کے حضور میں گریہ وزاری کرنے لگا کہ اے میرے کریم! تیرے سوا اس خوار وزار کی خبر لینے والا کون ہے، بھوک پیاس کی مصیبت سے چھڑا، ورنہ اپنے پاس بلا لے۔ پس اسی وقت اس بے کس کی اللہ تعالیٰ فریاد رس نے دعا قبول کی۔ چنانچہ اس وقت سے یہ کوا دونوں وقت کھلاتا ہے جیسا کہ تم نے دیکھا ہے۔“

سبحان اللہ! اے اللہ! تیرے سوا کون ہے جو مظلوم کی دادرسی کرے اور بے دست و پا کو رزق پہنچائے۔

(آئی ایم ایس پبلشرز کی کتاب ’مختصر پُر اثر‘ سے ڈاکٹر محمد طارق کا انتخاب)

شالنی دیوی سے خیرالنساء تک

(محترمہ خیرالنساء بشکریہ روزنامہ اسلام ۲۷ مارچ ۲۰۱۲)

میں تھانہ بھون ضلع مظفرنگر (یوپی) کے قریب ایک گاؤں کی رہنے والی ہوں۔ میرا پرانا نام شالنی دیو تھا۔ میرے والد کا نام چودھری بل سنگھ تھا۔ میری شادی ہریانہ میں پانی پت ضلع کے ایک قصبے میں کرپال سنگھ سے ہوئی۔ اپنے پہلے شوہر کے ساتھ چودہ سال رہی۔ اب سے آٹھ سال پہلے میرے اللہ نے مجھے اسلام کی دولت سے نوازا۔ اللہ کے شکر سے میرے پانچ بچے ہیں جو میرے ساتھ مسلمان ہیں۔ مجھے بچپن ہی سے اپنے ہاتھوں کی بنائی ہوئی مورتیوں کی پوجا دل کو نہ بھاتی تھی۔ میں پیڑ، پودوں، پھولوں، چاند، ستاروں کو دیکھتی تو سوچتی کہ ایسی خوب صورت اور سُندر چیزوں کو بنانے والا خود کتنا سندر ہوگا۔ میرے سسرال کے گاؤں میں یوپی کے بہت سے مسلمان کپڑے وغیرہ کی تجارت کے لئے آتے تھے۔ وہ مجھے ایک مالک کی پوجا اور اللہ کے آخری رسول محمد ﷺ کی باتیں بتاتے۔ میرے ساتھ میرے بچے بھی بڑی دل چسپی سے ان کی باتوں کو سنتے۔ ان کے جانے کے بعد میرے بچے مجھ سے کہتے کہ ماں ہم سب مسلمان ہوتے تو کتنا اچھا ہوتا۔ کچھ دنوں بعد میں نے مسلمان ہونے کا فیصلہ کرلیا اور گنگوہ کے علاقے کے دو مسلمانوں کے ساتھ جاکر اپنے بچوں سمیت مسلمان ہوگئی۔ اسلام قبول کرتے ہی میرے گھر والوں اور سسرال والوں نے قیامت برپا کردی۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچوں کو بے حد ستایا۔ ہم سب کو جان سے مارنے کی ہر ممکن کوشش کی مگر موت زندگی کا مالک ہماری حفاظت کرتا رہا۔ میرے اللہ پر مجھ کو بھروسہ رہا اور ہر موڑ پر میں مصلے پر جاکر فریاد کرتی رہی۔ اور اللہ نے میری ہر موڑ پر مدد کی۔ میں کس منہ سے اپنے مالک کا شکر ادا کروں۔ میرے گھر والوں اور سسرال والوں نے جو بڑے زمیندار بھی ہیں، مجھے منانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ جب میں نے فیصلہ سنادیا کہ میں مرتو سکتی ہوں مگر اسلام سے نہیں پھر سکتی تو پھر انہوں نے میرے ساتھ بڑی سختی کی۔ مجھے پیڑ سے لٹکا دیا۔ دسیوں لوگ مجھے لاٹھی ڈنڈوں سے پیٹنے لگے مگر وہ لاٹھیاں نہ جانے کہاں لگ رہی تھیں۔ میں اللہ سے فریاد کرتی رہی۔ مجھے ایسا لگا کہ مجھے نیند آگئی ہے یا میں بے ہوش ہوگئی ہوں۔ بعد میں مجھے ہوش آیا تو پولیس وہاں موجود تھی اور وہ لوگ بھاگ گئے تھے۔ مجھے لوگوں نے بتایا کہ اس پٹائی میں خود میرے چچا اور جیٹھ کے ہاتھ ٹوٹ گئے۔ وہ میرے بچوں کو مجھ سے چھین کر لے گئے۔ میرے بڑے بیٹے جس کا نام میں نے

عثمان رکھا ہے، اس کو گھر لے جا کر بہت مارا۔ وہ دو روز بعد کسی طرح جان بچا کر وہاں سے بھاگ گیا۔ تھانہ بھون میں اس نے اپنے ایک مسلمان دوست کے ہاں پناہ لی مگر میرے سسرال نے اسے وہاں بھی ڈھونڈ لیا۔ اس کو مارنے کے لئے وہ بہت سے بدمعاشوں کو چھروں اور چاقوؤں کے ساتھ لے آئے۔ تیرہ سال کا بچہ اور آٹھ دس لوگ چھریوں سے اسے مارنے لگے۔ میرے بچے نے چھری چھیننے کی کوشش کی۔ اسی کوشش میں جانے کس طرح چھری خود مارنے والوں میں سے ایک کے پیٹ میں گھس گئی۔ اور وہ فوراً مر گیا۔ اتنے میں ایک بس آ گئی۔ بس والے نے بس روک دی۔ سواریاں اتریں تو وہ سب لوگ بھاگ گئے۔ لوگوں نے دیکھا کہ وہاں ایک لڑکا تھا جس کے سارے جسم پر زخم تھے اور ایک شخص مرا ہوا پڑا تھا۔ پولیس آئی اور میرے بیٹے کو جیل بھیج دیا۔ جیل میں اس کی پٹائی ہوتی رہی۔ اس نے صاف بیان دیا کہ چھری چھینتے ہوئے میرے ہاتھ سے اس کے پیٹ میں گھس گئی۔ لڑکے کو آگرہ جیل بھیج دیا گیا۔ میں رات رات بھر مصلے پر پڑی رہتی۔ میں نے سہارے کے لئے ایک مسلمان سے نکاح بھی کر لیا۔ عورتیں مجھے ڈراتیں کہ تیرے بچے اب تجھے ملنے والے نہیں۔ اور تیرے بچے کی ضمانت کوئی نہیں کرائے گا۔ میرا بیٹا عثمان آگرہ جیل میں نماز پڑھتا اور دعا کرتا۔ ایک دن اس نے خواب میں دیکھا کہ ایک پردہ آسمان سے آیا اور لوگ کہہ رہے ہیں کہ بی بی فاطمہ آسمان سے عثمان کی ضمانت کرانے آئی ہیں۔ ایک ہفتے بعد آگرہ کی ایک دولت مند عورت نے عثمان کی ضمانت کرائی۔ وہ مظفرنگر آیا کرتی تھیں۔ ضمانت ہو گئی تو میں نے اسے دین سیکھنے کے لئے تبلیغی جماعت میں بھیج دیا۔ میں اپنے چار بچوں کی وجہ سے رویا کرتی اور میرے بچے بھی بہت تڑپتے۔ میری بچی چھپ کر نماز پڑھتی۔ اس کو نماز پڑھتا دیکھ کر میرے سسرال والوں نے اس پر مٹی کا تیل چھڑک دیا اور آگ جلانا چاہی مگر میرے اللہ نے اسے بچا لیا۔ انہوں نے چار بار دیا سلائی جلائی مگر ایک بال بھی نہیں جلا۔ پھر انہوں نے مشورہ کر کے کھیر پکائی اور کھیر میں زہر ملا دیا۔ وہ کھیر میری دونوں بچیوں کو کھلا دی مگر انہیں کچھ بھی نہ ہوا۔ میری جیٹھانی کہنے لگی کہ اس کا مطلب ہے کہ یہ تو زہر ہی نہ تھا۔ اس نے کھیر چکھی اور فوراً مر گئی۔ میرا بیٹا عثمان جماعت سے آیا۔ میں اور وہ پانی پت کے پاس ایک جگہ جا رہے تھے کہ ہمارے سسرال والوں نے ہمیں گھیر لیا۔ انہوں نے گولیاں چلائیں۔ مگر ایک فائر بھی ہمیں نہ لگا۔ گولیاں ہمارے دائیں بائیں سے گزر جاتی تھیں۔ آخر ایک فائر انہی کے ایک آدمی کو لگ گیا اور وہ مر گیا۔ اس پر وہ بھاگ گئے۔ میں اپنے اللہ سے بچوں کو مانگا کرتی۔ میرے اللہ مجھے میرے بچے مل جائیں۔ ایک روز ایک عالم مولوی غوث علی شاہ مسجد میں آئے

انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی ماں کا قصہ سنایا کہ اللہ نے فرعون کے گھر میں ان کو ان کی ماں سے کیسے ملایا۔ میں گھر آ گئی اور سجدے میں گر گئی میرے اللہ جب تو موسیٰ علیہ السلام کو ان کی ماں کی گود میں پہنچا سکتا ہے تو میرے بچوں کو کیوں نہیں ملا سکتا۔ میں تجھ پر ایمان لائی ہوں، میں فریاد کرنے کس سے جاؤں۔ میں تیرے علاوہ کسی سے فریاد نہ کروں گی۔ ساری رات سجدے میں پڑی رہی۔ اسی عالم میں سو گئی۔ خواب میں دیکھا کہ کوئی کہہ رہا ہے اللہ کی بندی خوش ہو جا تیرے بچے تیرے ساتھ ہی رہیں گے۔ صبح میرا بیٹا عثمان پانی پت سے کرنال کے لئے بس اڈے گیا۔ اس نے دیکھا کہ تینوں بہنیں چھوٹے بھائی کے ساتھ بس سے اتریں۔ وہ موقع پا کر بھاگ آئے تھے اور اندازے سے پانی پت آ رہے تھے۔ عثمان چاروں کو لے کر خوشی خوشی گھر آیا۔ میں پھر ساری رات سجدے میں پڑی رہی، شکرانے میں۔ اس کے بعد پانچ چھ بار ایسا ہوا کہ میرے سسرال والے مجھے اور میرے بچوں کو تلاش کرتے کرتے آئے۔ ہم ان کو دیکھ لیتے مگر ایسا لگتا تھا کہ وہ اندھے ہو گئے ہیں کہ وہ ہمیں نہیں دیکھ پاتے تھے۔ مجھے ہر موڑ پر میرے مالک نے سہارا دیا، میں اس کا کس طرح شکر ادا کروں۔ عثمان نے قرآن مجید پڑھ لیا۔ ہر سال تبلیغی جماعت کیساتھ بھی جاتا ہے میں دعا کر کے اسے بھیج دیتی ہوں کہ حفاظت کرنے والا میرا مالک ہے۔ بڑی دو بیٹیوں کی شادی کر دی ہے دونوں داماد بہت دین دار اور نیک ہیں۔ میری بیٹیاں بھی بہت پکی اور سچی مسلمان ہیں۔ ان کی شادی کے وقت میرا بیٹا جیل میں تھا۔ میرے اللہ نے اس کی ضمانت کا انتظام کر دیا اور اس نے خود اپنی بہنوں کو خوشی خوشی رخصت کیا۔ اب وہ اللہ کے فضل سے بری ہو گیا ہے۔ چھوٹی بچی اور بچہ مدرسے میں پڑھ رہے ہیں۔ میں نے ایمان لانے کے بعد قدم قدم پر اللہ کی مدد دیکھی، مجھے نماز میں بہت مزہ آتا ہے۔ میں نے چھ سال سے تہجد، اشراق، چاشت اور اوابین نہیں چھوڑی، میں نے کیا نہیں چھوڑی، میرے مالک نے چھوڑنے نہیں دی۔ جب بھی کوئی ضرورت ہوتی ہے مصلے پر جاتی ہوں اور اپنے مالک سے فریاد کرتی ہوں، مشکل حل ہو جاتی ہے۔ ہمارے مسلمان بھائی بہن جن کو باپ دادوں سے اسلام مل گیا ہے، انہیں اس کی قدر نہیں۔ انہیں بھی چاہیے کہ وہ بھی اللہ پر کامل یقین کریں اور پھر اس کی مدد دیکھیں۔ اب میرا ارادہ قرآن مجید حفظ کرنے کا ہے اور اپنی دونوں بچیوں کو بھی دین کا سپاہی اور داعی بنانا ہے۔ مجھے امید ہے کہ میرا اللہ میری تمنا ضرور پوری کریں گا۔ اس نے آج تک میری کوئی درخواست رد نہیں کی۔

فنا فی المال۔ ھائے پیسہ وائے پیسہ (قسط۔۵)

(ڈاکٹر فہیم شاہ صاحب، اسسٹنٹ پروفیسر آف میڈیسن، کوہاٹ میڈیکل کالج)

میں دودھ کی ایک دکان میں داخل ہوا اور دکاندار سے بغیر پانی ملے دودھ کی فرمائش کی۔ اس نے جواباً قسم کھا کر دودھ کی تعریف کی کہ ہمارا دودھ سب سے اچھا ہے اور اس میں پانی نہیں ملا ہوا ہے۔ پھر اس نے مجھے دودھ کی بالٹیاں دکھائیں۔ چونکہ مجھے ضرورت تھی دودھ کی، اس لئے میں نے اسے دودھ تولنے کا کہا کہ تین کلو دودھ دے دیں۔ دودھ لفافے میں ڈالتے ہوئے مجھے لگا جیسا کہ دودھ میں پانی واقعی نہیں ملا ہوا ہے بلکہ پانی میں دودھ ملا ہوا ہے۔ دودھ لے کر میں گھر آیا۔ ہمیں اندازہ ہے کہ ایک کلو کی مقدار کتنی ہے۔ ایک پیمانہ جگ کی شکل میں ہمارے پاس ہے۔ دیکھا تو اس دودھ کی مقدار کم نکلی۔ بڑا افسوس ہوا کہ ایک تو دودھ میں پانی کی مقدار کافی تھی دوسرا ناپ تول میں بھی کمی تھی۔ دوسری دفعہ دودھ ایک دوسری دکان سے لیا تو اس کی حالت بھی ایسی ہی تھی اور تول میں کمی بھی۔ پھر میں نے ایک ساتھی سے کہا کہ آپ اپنے گاؤں سے گائے یا بھینس کا دودھ لایا کریں۔ پیسے نقدان کو دے دیں۔ وہ دو دن دودھ اپنے گاؤں سے لے کر آیا، ایک دفعہ گاؤں کی دکان سے اور ایک دفعہ براہِ راست اپنے گھر سے۔ گھر کے دودھ میں ملاوٹ کا عنصر زیادہ تھا یعنی ایسی چیز ملائی ہوئی تھی جس سے دودھ گاڑھا نظر آئے اور تول میں بھی کم اور دکان والے میں واضح کمی تھی۔ میں نے اس آدمی سے اور بقیہ دودھ کے کاروبار سے منسلک افراد سے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ لوگ کم تول کر دیتے ہیں؟ ان کی جواب کے مطابق دکاندار جب لیتے ہیں اپنے لئے دودھ تو پکے سیر کی پیمائش کے ساتھ اور جب بیچتے ہیں تو کچے سیر کی پیمائش کے ساتھ اور مزید یہ کہ ناپنے کا آلہ بھی چھوٹا ہوتا ہے یعنی بظاہر ایک کلو کا نظر آتا ہے لیکن ہوتا ایک کلو کا نہیں ہے۔ بقول دکاندار کے "اگر ہم ایسا نہیں کرینگے تو ہم کہاں سے کمائیں گے۔ اسی سے تو ہماری بچت ہوتی ہے۔ اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ بھرتے ہیں۔ ہم نے بھی دنیا میں جینا ہے"۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "ویل للمطففین الذین اذا کتالو علی الناس یستوفون و اذا کالوھم اووزنوھم یخسرون" (پ ۳۰، ۷ آیت ۱) (بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی

جب لوگوں سے (اپنا حق) ناپ کر لیں تو پورا لیں اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیں تو گھٹا کر دیں) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ناپنے اور تولنے والوں سے ارشاد فرمایا: ''تمہارے ہاتھ میں دو ایسے کام ہیں جن کے سبب سے تم سے پہلی قومیں ہلاک ہوئیں'' یعنی پورا نہ تولتے، ناپنے اور کم دینے کے سبب ہلاک ہوئیں۔ تم ایسا نہ کرنا (ترمذی، از اسوۂ رسول اکرم ﷺ) سرکار دو عالم ﷺ نے ایک چیز خریدی اور وزن کرنے والے سے فرمایا جھکتا ہوا تولنا (اصحاب سنن، حاکم، سوید ابن قیس رضی اللہ عنہ) آج روپے پیسے کی لالچ میں ناپ تول میں کمی اپنے عروج پر ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو نصیحت کی ''اے میری قوم تم ناپ اور تول پوری کیا کرو اور لوگوں کا ان چیزوں میں نقصان مت کیا کرو اور زمین میں فساد کرتے ہوئے حد سے مت نکلو۔ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا جو کچھ بچ جائے وہ تمہارے لئے بدرجہا بہتر ہے اگر تم ایمان لانے والے ہو اور نہیں میں اوپر تمہارے نگہبان''۔ (سورۂ ھود آیت ۸۵،۸۶) شعیب علیہ السلام کی قوم نے ان کی بات کو جھٹلایا اور وہ لوگ کہنے لگے ''اے شعیب! کیا تمہارا تقدس تم کو تعلیم کر رہا ہے کہ ہم ان چیزوں کو چھوڑ دیں جن کی پرستش ہمارے بڑے کرتے آئے ہیں یا اس بات کو چھوڑ دیں کہ ہم اپنے مال میں جو چاہیں تصرف کریں، واقعی آپ ہیں بڑے عقلمند دین پر چلنے والے''۔ (سورۂ ھود آیت ۸۷) اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر طرح طرح کے عذاب جمع فرمائے یعنی ابر میں سے آگ برسی اور چیخ ایسی ہوئی جس سے جگر پھٹ گئے اور زمین کی طرف سے زلزلہ سخت آیا (اللّٰھم احفظنا منہ. آمین ابن کثیر) آج حضور ﷺ کی برکت سے آسمان سے براہِ راست آگ تو نہیں برستی لیکن اللہ تعالیٰ جسموں کے اندر آگ کی کیفیات ضرور پیدا فرما دیتے ہیں۔ جیسے کے اس مریض کے حالت سے معلوم ہوتا ہے۔ میرے پاس ایک گوالا (دودھ کا کاروبار کرنے والا) مریض بن کر آیا جو کافی عرصے سے دودھ کا کاروبار کرتا تھا۔ اس کی بیان کردہ حالت یہ تھی ''ڈاکٹر صاحب میں گزشتہ دس برس سے شوگر کا مریض ہوں۔ رات کو شوگر کی زیادتی کی وجہ سے چھ دفعہ چھوٹے پیشاب کے لئے اٹھنا پڑتا ہے۔ نیند آنکھوں سے غائب ہے۔ پاؤں کے تلوے اور ہاتھ سخت جلتے ہیں، کبھی کبھی تو سارے جسم پر جلن کے اثرات ظاہر ہو جاتے ہیں، ایسا لگتا ہے کہ اندر

آگ بھر گئی ہو۔ سخت بے چینی کی کیفیت ہے۔ کبھی کبھی چکر آتے ہیں ایسا لگتا ہے جیسے زمین ہل رہی ہو۔ کانوں میں ہر وقت چاں چاں کی آوازیں شروع ہو گئی ہیں۔ پاؤں میں بھی سوجن شروع ہو گئی ہے۔ ڈاکٹر صاحب ذرا خدا کا واسطہ ہے کہ کوئی ایسی دوائی دیں یا تو ٹھیک ہو جاؤں یا پھر مر جاؤں"۔ یہ علامات بظاہر شوگر کی زیادتی کی نظر آتی ہیں لیکن اصل حقیقت سے اللہ تعالیٰ کی ذات ہی باخبر ہے۔ میں نے اس گوالے سے پوچھا کہ دودھ کے کاروبار میں کتنا منافع ہو جاتا ہے؟ تو اس نے کہا کہ اچھی خاصی آمدنی ہو جاتی ہے، میں نے ازراہِ مذاق پوچھا پانی کتنا ملاتے ہو، تو مسکرا کر کہنے لگا کہ ڈاکٹر صاحب چھوڑیں اس بات کو کیا پوچھنا آجکل تو سارے ایسا ہی کرتے ہیں۔ ہم پانی نہ ملائیں تو دنیا کے خرچے کہاں پورا ہوں گے اور اپنی دوائی کون خرید سکے گا" یہ تھے اس کے جوابات جو باطل عقیدے کے ترجمان تھے۔ لیکن دنیاوی عذاب کے اندر گرفتار شخص کو اس طرف خیال بھی نہیں جاتا کہ اپنے ہاتھوں کی کمائی ہوئی مصیبت میں گرفتار ہے۔ حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا "کیا میں تم کو تمہاری بیماری اور دوا بتلا دوں، سن لو! بیماری گناہ ہیں اور تمہاری دوا استغفار ہے"۔ (ترغیب، بیہقی) ایسے باطل عقیدے کے ساتھ تجارت منع ہے۔ پہلے اپنی اصلاح کر کے تجارت شروع کی جائے وگرنہ یہ گناہ انسان کرتا جاتا ہے اور اسے پرواہ بھی نہیں ہوتی کہ اس سے ایمان جا بھی سکتا ہے۔ کیونکہ گناہ کو حلال سمجھنے سے ایمان جاتا رہتا ہے۔ (از اسوۂ رسول اکرم ﷺ) حضرت عبداللہ ابن عمر ؓ سے روایت ہے کہ ہم دس آدمی حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے۔ آپ ﷺ ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے: چند چیزیں ایسی ہیں جن سے میں خدا کی پناہ چاہتا ہوں کہ تم ان کو پاؤ۔

۱) جب کوئی قوم میں بے حیائی کے افعال علی الاعلان ہونے لگیں گے۔ وہ طاعون میں مبتلا ہو گی اور ایسی ایسی بیماریوں میں مبتلا و گرفتار ہو گی جو ان کے بڑوں کے وقت میں کبھی نہیں ہوئیں۔

۲) اور جب کوئی قوم اپنے تولنے میں کمی کرے قحط اور تنگی اور ظلمِ حکام میں مبتلا ہو گی۔

۳) اور نہیں بند کیا کسی قوم نے زکوٰۃ کو مگر بند کیا جائے گا اس سے بارانِ رحمت اگر بہائم (جانور) نہ

ہوتے تو کبھی اس پر بارش نہ ہوتی

۴) نہیں عہد شکنی کی کسی قوم نے مگر مسلط فرمادے گا اللہ تعالیٰ اس پر اس کے دشمن کو غیر قوم سے، پس جبری لے لیں گے وہ ان کے اموال کو (ابن ماجہ از اسوۂ رسول اکرم ﷺ)

میرے بڑے بھائی کو ایک لانس نائیک فوجی بھائی نے اپنا قصہ سنایا۔ اس کی زبانی قصہ کچھ یوں تھا۔ ’’علاوہ باقی ملازمت کے کاموں کے، ایک میرے ذمے یہ بھی تھا کہ میں چندہ کی رقم جو سیلاب زدگان کیلئے جمع ہوئی تھی، وہ بینک میں جمع کرا دیتا تھا۔ چونکہ میں صوم وصلوٰۃ کا پابند تھا اور ظاہری حلیہ کے اعتبار سے مجھ پر اعتماد تھا اس لئے جمع شدہ رقم میرے حوالے کر دی جاتی تھی۔ ایک دفعہ میں رقم لے کر بینک پہنچا اور اپنا کام کر کے باہر نکلا۔ ساتھ ہی پٹرول پمپ کے پاس ایک شخص کھڑا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی اسلام علیکم کہا، میں نے اس کے سلام کا جواب دیا۔ مصافحہ کرنے کے بعد وہ مجھ سے گویا ہوا کہ چہرے سے تم بہت پریشان لگتے ہو حالانکہ پانچ وقت کے نمازی ہو۔ آیت الکرسی کا بھی اکثر ورد رکھتے ہو۔ اپنی طرف سے کوشش کرتے ہو کہ ہر کسی کے کام آؤ لیکن اس کے باوجود اکثر لوگ تم سے اچھا سلوک نہیں کرتے۔ تمہاری اولاد بھی نہیں ہے اور نہ ہونے کی امید لگتی ہے۔ اگر تم چاہو تو میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔ میرے پاس ایک منتر ہے اگر اس کو پڑھوں تو زمین پر رکھے ہوئے کنکر لال بن جائیں یا موتی بن جائیں۔ اس سے تم اپنی مرادیں پوری کر لو گے۔ پریشانیاں بھی دور ہو جائیں گی۔ میرے بارے میں اس نے جو باتیں کہیں سب ٹھیک تھیں۔ میں بڑا حیران ہوا اور اُس کو کوئی پہنچا ہوا پیر گمان کرنے لگا۔ اس کے بعد اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور ساتھ چل دیا۔ تھوڑی دیر چلنے کے بعد اس نے جھک کر زمین سے دو چھوٹی کنکریاں اٹھائیں اور میری دائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھ دیں۔ ان کنکریوں کو میں خود دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے کہا کہ اپنی مٹھی بند کر دو۔ میں نے مٹھی بند کر دی۔ پھر اس نے کہا میں ایک منتر پڑھوں گا اور تم کلمہ طیبہ کا ورد شروع کرو۔ وہ کوئی منتر پڑھنے لگا جس کا مجھے پتا نہ چلا۔ اس نے پڑھنے کے بعد میرے ہاتھ اور میرے منہ پر پھونک ماردی۔ اس کے بعد اس نے کہا کہ ہاتھ کھولو۔ جونہی میں نے ہاتھ کھولا، ہاتھ میں کنکریوں کے بجائے سفید رنگ کے موتی تھے جس پر اللہ لکھا ہوا تھا۔ اس نے وہ موتی

اٹھا کر میرے سامنے والے جیب میں ڈال دیئے۔ اس دوران میری یہ حالت تھی کہ میرا دماغ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے غافل ہوگیا۔ گو میری آنکھیں کھلی تھیں لیکن مدہوشی کی کیفیت سے دوچار تھا۔ موتی ڈالنے کے بعد اس نے کچھ نذرانہ لینے کی خواہش کی۔ میں نے جیب سے پچاس روپے دیئے۔ وہ پیسے لے کر چلا گیا۔ اس کے جانے کی تھوڑی دیر بعد میں ہوش میں آیا تو میں نے اپنے جیب میں موتی نکالنے کے لئے ہاتھ ڈالا۔ یہ دیکھ کر پریشانی ہوئی کہ موتی تو خود نہیں تھے کہ ساتھ دو ہزار روپے بھی جیب سے غائب تھے۔ مجھے بڑا غصہ آیا۔ میں ایک غریب آدمی ہوں۔ میرے لئے دو ہزار روپے بڑی چیز تھی۔ اس پریشانی اور غصہ کی حالت میں میں نے اس کی تلاش شروع کی۔ ساتھ ساتھ دعا اور آیت الکرسی کا سہارا لیا۔ تلاش کرتے کرتے بالا آخر مجھے ایک سوزوکی اڈے پر میدان کے پاس کھڑا نظر آ گیا۔ میں سیدھا اس کے پاس پہنچ گیا اور پہنچتے ہی اسے گردن سے پکڑ کر جھنجھوڑنے لگا کہ ارے ظالم میرے پیسے واپس کر! دین کے لباس میں لوگوں کو لوٹتا پھرتا ہے۔ میں نے چونکہ سختی سے پکڑا ہوا تھا اس لئے وہ مجھ سے معافی مانگنے لگا اور کہا کہ یہ لو اپنے پیسے لیکن خاموش رہو۔ کسی سے اس کا تذکرہ مت کرو۔ میں نے اس سے دو ہزار پچاس روپے واپس لئے اور اس کو چھوڑ دیا اور ساتھ کہا کہ اگر میری ملازمت کا وقت نہ ہوتا اور مجھے واپسی کی جلدی نہ ہوتی تو میں تجھے اس کئے کا مزہ چکھاتا۔ بہر حال میں اس کو چھوڑ کر واپس آ گیا۔ کیسے کیسے ظالم بھیڑئے سادہ لوح انسان کو لوٹتے ہیں۔ حضرت علیؓ سے مسند الفردوس میں روایت ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا ”دو عادتیں ایسی ہیں کہ ان سے زیادہ خراب عادت کوئی نہیں ہے۔ ایک اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرنا اور دوسرے اللہ تعالیٰ کے بندوں کو نقصان پہنچانا اور دو عادتیں ایسی ہیں کہ ان سے زیادہ اچھی عادت کوئی نہیں ہے۔ ایک اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا دوسرا اللہ تعالیٰ کے بندوں کو نفع پہنچانا“ (از احیاء العلوم جلد دوم ص ۳۲۹)

اس طرح کے واقعات لوگوں کے ساتھ پیش آتے رہتے ہیں۔ کچھ اپنے اندر بھی کمزوری ہوتی ہے کہ روپے پیسے کی حرص ہوتی ہے، کچھ شہر کے لوگ بھی ظالم ہوتے ہیں، کچھ لوگوں کی بھی کمزوری کام کر جاتی ہے۔ ایک پنجابی کا شعر ہے۔

؎ کجھ اینج وی راہواں اوکھیاں سن (کچھ تو راستے بھی مشکل تھے)
کجھ گل وِچ غماں دا طوق وی سی (کچھ ہمارے گلے میں غموں کا طوق بھی تھا)
کجھ شہر دے لوک وی ظالم سن (کچھ تو شہر کے لوگ بھی ظالم تھے)
کجھ سانوں مرن دا شوق وی سی (کچھ مجھے بھی مرنے کا شوق تھا)

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں کہ ''آجکل درویشی کے لباس میں ہزاروں راہزن اور ڈاکو مخلوق کے دین پر ڈاکہ مارتے پھرتے ہیں۔ قسم قسم کے شعبدے اور طلسم دکھا کر پھنساتے پھرتے ہیں۔ ادھر لوگوں میں بھی عقل اور فہم کا اس قدر قحط ہو گیا ہے کہ ایسے ڈاکوؤں کو درویش اور بزرگ سمجھ کر ان کے ہاتھوں پر اپنا دین، ایمان اور دنیا خراب کرتے ہیں۔ بھوپال میں ایک ایسے ہی درویش پہنچے۔ بڑے بڑے دنیاداروں کو اپنے تصرف سے متاثر کرتے پھرتے تھے۔ اس زمانے میں وہاں پر حافظ ضامن صاحبؒ کے صاحبزادے حافظ محمد یوسف صاحب تحصیلدار بھی تھے۔ ان کے پاس بھی وہ درویش پہنچے اور جا کر ایک کونے میں کھڑے ہو کر توجہ سے تصرف شروع کیا۔ حافظ صاحب کو اس کا احساس ہو گیا اور اس کی طرف متوجہ ہو کر یہ شعر پڑھا۔

؎ سنبھل کے رکھنا قدم دشتِ خار میں مجنون کہ اس نواح میں سودا برہنہ پا بھی ہو

شعر پڑھنا تھا کہ وہ دھڑام سے زمین پر گر پڑا اور بیہوش ہو گیا۔ ہوش آنے پر ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا اور یہ کہا کہ میں بھی حضور کا شغال رنگیں (رنگا گیدڑ) ہوں، رحم فرمائیں، معاف فرمائیں۔ حافظ صاحب نے کہا کہ جاؤ کیوں مخلوق کو گمراہ کرتے پھرتے ہو۔ ان باتوں کو چھوڑو، اتباعِ سنت اختیار کرو۔ اس کے بعد تھانوی صاحبؒ نے فرمایا کہ ''ایسے تصرفات مشق سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ اس کا بزرگی سے کیسا تعلق، یہ مسمریزم والے بھی کر لیتے ہیں۔ اصل چیز احکام کا اتباع ہے۔ مسمریزم صرف خیال کی کرشمہ کاریاں ہیں۔ پیسہ بٹورنے اور دنیا کمانے کے لئے یہ ہتھکنڈے استعمال کئے جاتے ہیں کیونکہ روپے پیسے اللہ کا درجہ رکھتے ہیں۔ حضرت تھانوی صاحبؒ نے فرمایا کہ چیونٹیاں جو مٹھائی وغیرہ پر چڑھتی ہیں۔ اگر سانس رک کر وہ شے رکھی جائے تو اس پر چیونٹیاں نہیں چڑھتیں۔ میں نے خود اس کا تجربہ کیا ہے۔ یہ عمل بھی مسمریزم کی ایک قسم ہے اور خیال کی قوت سے ہوتا ہے۔

(جاری ہے)

ایک خط

(جناب عبدالباسط صاحب، پشاور)

میرے شیخ و مربی حضرت ڈاکٹر حاجی فدا محمد صاحب دامت برکاتہم کا مقولہ ہے کہ برائی بے دین لوگوں کے پھیلانے سے نہیں پھیلتی بلکہ نیک لوگوں کے خاموش رہنے سے پھیلتی ہے۔

۱۵ مارچ کو ہمارے ضلعی دفتر میں بھرتیوں کے لئے تحریری مقابلہ ہوا۔ ہر یونین کونسل سے چار امیدوار مقابلے میں تھے جن میں سے ایک صاحب کی سفارش گورنر سیکرٹریٹ سے ہوئی تھی، دوسرے صاحب کی صوبائی وزیرِ صحت کی طرف سے، تیسرے صاحب کی ایک نامی گرامی مقامی خان کی طرف سے اور آخری صاحب کی کوئی سفارش نہ تھی۔ سلیکشن کمیٹی کے ممبران اس صورتِ حال سے پریشان تھے کہ کس کو منتخب کریں۔ افسران صاحبان مجھے بھرتیوں اور انکوائریوں سے بے خبر رکھتے ہیں جس کی وجہ ماضی کے تجربات ہیں۔

۱۵ مارچ کو مجھے ایک سیمینار میں شرکت کرنی تھی۔ ضلعی آفیسر نے کہا کہ امیدواروں کا ٹیسٹ ہو جانے کے بعد چلے جانا۔ ٹیسٹ شروع ہوا جو کہ ایک گھنٹے پر مشتمل تھا اور پرچہ انتہائی مشکل۔ میں یہ سوچ رہا تھا کہ اس کو تو میں بھی مکمل طور پر حل نہیں کر سکتا۔ ابھی بیس منٹ ہی گزرے تھے کہ ساتھی نے بتایا کہ ایک امیدوار نے پورا پرچہ حل کر لیا ہے۔ میں اس کے پاس گیا تو اس نے مجھے پرچہ دیا اور پوچھا کہ کیا میں جا سکتا ہوں؟ میں نے جواب دیا ابھی ٹھہرو۔ پرچہ دیکھا تو بہت حیران ہوا کہ تمام سوال حل کر چکا ہے جب کہ باقی امیدواران اِدھر اُدھر دیکھ رہے ہیں کیونکہ پرچہ ان کے لئے ناقابلِ حل تھا۔ امیدوار کے پاس ایک فائل تھی جو پرچہ حل کرتے وقت نیچے رکھی ہوئی تھی۔ اس میں مختلف جیبیں تھیں۔ میں نے فائل اس سے لے کر دوسرے ساتھی کو دی تاکہ اس کو ٹٹولے۔ ساتھی نے فائل کی ایک جیب سے وہ خالی پرچہ برآمد کیا جو اس امیدوار کو ٹیسٹ کے لئے دیا گیا تھا۔ یعنی حل شدہ پرچہ وہ باہر سے لایا تھا۔ اس امیدوار کے اوسان خطا ہو گئے۔ ساتھی نے کہا کہ یہ امیدوار یونین کونسل ڈاگئی کے لئے پہلے ہی منتخب ہے اس لئے اسے کچھ نہ کہو کہ پتہ نہیں یہ کس کا آدمی ہے۔ میں سوچ میں پڑ گیا اور ساتھ ہی سٹینو صاحب کو پیغام بھیجا کہ آئے کیونکہ اس امتحان کے لئے جو پرچہ بنایا گیا تھا وہ سٹینو کے پاس رکھا تھا اور یہ امیدوار بھی ان کے گاؤں کا تھا۔ جب میرا پیغام ان کو موصول ہوا تو گھبرائے اور ضلعی آفیسر کو ساتھ لے آئے۔ وہ دونوں کچھ دیر سے آئے۔ اس وقت میں پرچے پر لکھائی کر رہا تھا۔ جیسے ہی انھوں نے یہ منظر دیکھا تو واپس چلے گئے۔ سٹینو صاحب مقامی تبلیغی مرکز کے پرانے اور خاص ساتھیوں میں سے ہیں

اور بیرونِ ملک دو تبلیغی اسفار ہو چکے ہیں۔ پرچے پر لکھائی سے پہلے شیطان نے مختلف مناظر دکھائے۔

۱۔گورنر سیکرٹریٹ سے ٹکر لینا کیا آسان کام ہے؟

۲۔صوبائی وزیرِ صحت سے ٹکر لینا کیا آسان کام ہے؟

۳۔مقامی خان سے ٹکر لینا کیا آسان کام ہے؟ اور بھرتی سے متعلق ماضی کے دو واقعات جو مقامی خوانین نے ہمارے محکمہ کے افسران سے بزورِ اسلحہ کروائے تھے وہ بھی سامنے آئے۔

۴۔ضلعی آفیسر سے ٹکر لینا کیا آسان کام ہے؟

۵۔پچھلی دفعہ ایسا ہی دیانت داری کا کام کیا تھا جس کے نتیجے میں دو سال کے لئے لکی مروت تبدیل کیا گیا تھا وہ بھی سامنے آئے۔

۶۔اب جو کچھ کر رہا ہوں، کوہستان یا کسی دور دراز علاقے کو تبدیلی کے لئے تیار رہنا پڑے گا۔

اس کے بعد ضمیر نے آواز دی۔

۱۔تمہاری سولہ سال کی تعلیم۔

۲۔تمہاری آٹھ سال کی ملازمت۔

۳۔تمہاری پبلک سروس کمیشن کی طرف سے تقرری۔

۴۔تمہارے اوپر ملک اور محکمہ کے اخراجات۔

۵۔تمہارا بیعت و تلقین کے شعبہ سے مضبوط تعلق۔

ان مندرجہ بالا تمام چیزوں نے یہاں تک پہنچایا تا کہ اس دن انصاف قائم رکھنا جو تمہارے بس میں ہو۔ اللہ تعالیٰ کا فضل متوجہ ہونا تھا کہ میں نے دونوں پرچے اٹھائے اور اس پر لکھا کہ "اس امیدوار سے معلوم کیا جائے کہ اس کے پاس حل شدہ پرچہ کہاں سے آیا" اور یہ پرچے کمیٹی کے حوالے کئے۔ ٹیسٹ کے بعد ایڈیشنل سیکرٹری نے گورنر ہاؤس سے ٹیلی فون کیا اور اس امیدوار کے حق میں بات کی مگر الفاظ کمزور تھے۔ شاید ان کو واقعے کا پتہ چل چکا تھا۔

دفتر والوں نے اس امیدوار کے لئے ٹیسٹ کینسل کیا اور تمام امیدواروں سے انٹرویو شروع کر دیا۔ دورانِ انٹرویو دوسرے امیدواران نے کہا کہ اگر آپ نے اس امیدوار کو منتخب کیا جس سے پرچہ برآمد ہوا تھا تو ہم لوگ اوپر جائیں گے۔ کمیٹی والے ڈر گئے اور یہ پوسٹ کینسل کر دی اور انکوائری کا بھی کہہ دیا۔

ویب سائیٹ

ہمارے ادارے نے www.darwaish.org کے نام سے ویب سائیٹ بنایا ہے جو مئی ۲۰۱۱ء سے کام کر رہا ہے۔ اس ویب سائیٹ پر آپ کو مندرجہ ذیل چیزیں ملیں گی۔

بیانات:

۱۔ حضرت مولانا محمد اشرف صاحب سلیمانی رحمۃ اللہ علیہ

۲۔ حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہٗ

۳۔ متفرق حضرات

کتابیں:

ایک وسیع ذخیرہ

سلسلے کا نمائندہ ماہنامہ غزالی

اس کے علاوہ سلسلے کی اردو پشتو نعتیں

ماہوار اجتماع آن لائن سنا جا سکتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

اطلاع

آئندہ ماہانہ اجتماع انشاء اللہ ۲۸ اپریل بروز ہفتہ خانقاہ میں منعقد ہوگا۔

بیان مغرب کے بعد ہوگا۔